نایاب جیلانی

تمہیں دل نے پکارا ہے

باہر سے رونے اور چلانے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں، ان آوازوں میں اتنا درد، اتنی بے بسی اور کرب تھا کہ اس کا دل اس کرب کی گہری دبیز تہہ میں دب کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے اس حد تک سرخ اور سوج چکے تھے کہ آنکھ کھولنا انتہائی مشکل امر لگ رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ اس خوبصورت کمرے کے بیچ سجائے پھولوں سے آراستہ بیڈ پر بیٹھی اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی، اسے معلوم نہیں تھا کہ ابھی چند گھنٹوں بعد کیا ہونے والا ہے، اس کی زندگی میں کتنا بڑا طوفان آنے والا ہے، یہ رات خوشیوں، مسکراہٹوں اور خوشبوؤں میں بسی اک ایسا پیغام دینے والی ہے، جس کا تصور ہی دل و روح کو ادھیڑ دینے کے لیے کافی تھا۔

مکمل ناول

خوشیوں کی عمر اتنی تھوڑی ہو گی یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا، ابھی تو اتنے عرصے بعد خواب اپنی تعبیر پانے کے بعد پوری طرح خوش بھی نہیں ہو پائے تھے کہ زندگی نے اپنا کریہہ روپ ایک دم ہی دکھا کر اسے افق سے زمین کی کسی گہری اندھی ڈراؤنی اور بھیانک کھائی میں پھینک دیا تھا۔

آنے والے خوبصورت لمحات کا تصور بنتے، عمار کا بے چینی سے انتظار کرتے، خوش رنگ کومل خواب آنکھوں میں بسائے کان اس کی آہٹوں اور دل اس کی محبت سے لبریز، پہلو میں دھک دھک کرتے دل کو ڈپٹتے ہوئے اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا محبوب شوہر آج کی خوبصورت، روشن چمکیلی ہزاروں ارمانوں اور دلکش خوابوں سے سجی رات کو اس کے پاس آئے گا ہی نہیں۔

عمار تو اس کا دیوانہ تھا اور اس دیوانے کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ آج اس کے پاس آنے کی بجائے کسی اور دیس نکل گیا تھا۔

بھلا اتنا بڑا دھوکہ بھی کوئی دے سکتا ہے۔

عمار اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر میلے میں لایا، ڈھیروں وعدے کیے، قسمیں کھائیں ساتھ نبھانے کی، آس دلائی اور پھر بے دردی سے بغیر بتائے ہاتھ چھڑا کر اس سے بہت دور چلا گیا اور وہ بے یقینی، حیرت اور ڈھیروں آنسو سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس اجنبی لوگوں کی بھیڑ کو دیکھتی رہ گئی۔

رونے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں، ان میں سب سے زیادہ بلند آواز آمنہ آپی کی تھی، ایمان نے بے جان ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے بھاری لہنگا سمیٹ کر خود کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جھری میں سے آمنہ آپی کے جھٹکے کھاتے وجود کو دیکھا تھا، امی کو شاید کمرے میں بھیج دیا گیا تھا، وہ ابھی تک بے ہوش تھیں، لاؤنج میں آتے جاتے لوگ، ممی اور زین کے سرخ چہرے اور گیلی آنکھیں، عباد بھائی اور ولید کے نڈھال وجود، بابا کی جھکی کمر۔

ایمان نے لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کو تھاما، مگر دوسرے ہی پل وہ لہراتے ہوئے زمین پر آ گری تھی۔ سامنے والا منظر دیکھنے کی تاب اس میں نہیں تھی،

کیونکہ عمار کے بھائی اسے لینے آئے تھے' اور اسے اپنے پیروں پر چل کے تو نہیں جانا تھا۔

"میرے عمار کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔" عمار کی خالہ روبینہ بھی غش کھا کر گر پڑی تھیں' ہر آنکھ نم تھی ہر دل غمزدہ تھا۔

کیونکہ آج عمار حسین کا جنازہ "حسین ہاؤس" سے اٹھا تھا' اور آج کے دن ہی تو وہ بڑے ارمانوں سے اپنی چاہت کو بیاہ کر لایا تھا۔

آسمان بھی گویا ان کے غم میں شریک ہو چکا تھا کیونکہ ایک دم تواتر سے بارش برسنے لگی تھی۔

"ارے کوئی دلہن کو تو دیکھو۔" کسی بڑی بی نے بھی چلا کر کہا تو آمنہ آپی کی لہو رنگ سرخ نگاہیں عمار کے بیڈ روم کی طرف اٹھ گئیں۔

* * *

"مہارانی صاحبہ ابھی تک سو رہی ہے' اتنا نہیں کہ اٹھ کر بھائی اور بچوں کو ناشتا ہی بنا دے' بے چارے بھوکے ہی چلے گئے ہیں' ایک دن کیا بستر پر پڑی ہوں' پورے گھر کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے' نہ کچن کی حالت درست ہے اور نہ ہی بچوں کے کمروں کی' گھر گویا مچھلی بازار کا نقشہ پیش کر رہا ہے' مگر یہاں تو احساس نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں' نہ جانے لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں۔" حرا بھابھی کچن میں کھڑی زور زور سے برتن پٹختے ہوئے تقریباً" چلا رہی تھیں' یوں کہ لاؤنج سے ملحقہ چھوٹے کمرے میں موجود بخار میں پھنکتی ایمان بغیر کسی تردد کے سن سکے۔

"افشاں کی نند کیا کمال کی پھرتیلی اور ہمدرد لڑکی ہے' مجال ہے جو کبھی بھابھی کو اٹھ کر کام کرنے دیا ہو' جب بھی افشاں کے گھر گئی ہوں' اسے پھرکی کی طرح پورے گھر میں گھومتے اور کام کاج سمیٹتے ہی دیکھا ہے' اپنے اپنے نصیبوں کی بات ہے' یہاں پر تو اگر میں ذرا بیمار پڑ جاؤں تو کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ایک گلاس پانی کا ہی پلا دیا جائے یا پھر پرہیزی کھانا ہی علیحدہ سے بنا دیا جائے۔ رات کو بھی جلتے سڑتے گلے میں دوپہر کا سالن انڈیل لیا تھا' پوری رات کھانستے ہی گزر گئی تھی' مگر کہوں کس سے' یہاں سنتا ہی کون ہے' گویا کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے یا پھر جان بوجھ کر انجان بننے کی ناکام کوشش' ابھی ذرا عمیر بتاتی ہوں انہیں' اللہ جھوٹ نہ بلوائے گھنٹہ بھر سے بولے جا رہی ہوں' مگر مجال ہے جو شہزادی صاحبہ اپنے حجرے سے باہر نکلی ہوں۔" حرا بھابھی کو تو گویا پتنگے ہی لگ گئے تھے' اپنی اتنی طویل تقریر پر اور مسلسل بولنے کا اثر زائل ہوا دیکھ کر' انہیں تو گویا یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح ان کی تلخ ترش باتیں سن کر ایمان فوراً" ہی منمناتے ہوئے ان کے سامنے گردن جھکا کر کھڑی ہو جائے گی' مگر آج تو گویا انہیں بھی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"میری دوا کا بھی وقت ہو رہا ہے' کچھ زہر پیٹ میں انڈیلوں گی تب ہی میڈیسنز لوں گی نا۔" حرا بھابھی کی ایک مرتبہ پھر چنگھاڑتی آواز ایمان کے کانوں سے ٹکرائی تھی' بے بسی اور تحقیر کے احساس سے اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے' اس نے درد سے تپتے اور بے جان ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی' مگر اس زور سے دماغ گھوما کے آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچ گئے اور وہ ایک مرتبہ پھر بے سدھ سی بستر پر ڈھے گئی' بھابھی کا بھونپو مسلسل بج رہا تھا۔

"بے شرمی اور بد حرامی تو اس لڑکی پر ختم ہو چکی ہے۔" حرا بھابھی نے شاید غصے کے عالم میں کانچ کا کوئی برتن توڑا تھا' مگر چھن کی آواز تو اس کے بائیں پہلو سے آئی تھی' تکلیف اور درد و کرب پر اب ذلت کا احساس حاوی ہو گیا تھا' یعنی کہ اس کی اہمیت صرف اتنی ہی تھی کہ وہ اس گھر میں ملازموں کی طرح کام ہی کرتی رہے اور جب بیمار پڑے تو بھابھی کے طعنے اور طنز و کوسنے سنتی رہے۔

بھابھی کی بیماری کا قصہ بھی کچھ نیا نہیں تھا' آئے دن بیماری کا بہانہ کر کے سارا سارا دن بیڈ روم میں بند ہو کر آرام کرنا' موویز دیکھنا یا پھر میکے والوں سے گھنٹوں ٹیلی فون پر "گفتگو کرنا" ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا' بچوں کے اسکول سے آنے کے کچھ دیر بعد ہی وہ بیڈ روم سے نکلتی تھیں اور پھر بچوں کو کھلا پلا کر دوبارہ اپنے کمرے میں ہائے وائے کرتی گھس جاتیں' اور پھر جب عمیر بھیا آفس سے آتے تو ایک وہی خوبصورت اور نہایت اسمارٹ سی حرا بھابھی کی تمام بیماری اڑن چھو ہو جاتی' فریش' ترو تازہ مسکراہٹیں بکھیرتی وہ کمرے سے باہر تشریف لے آتی تھیں اور ایمان حق دق بس حرا بھابھی کے بدلتے موڈ کو دیکھتی ہی رہ جاتی۔

حرا بھابھی کو اس گھر میں آئے ہوئے تیرہ سال ہو گئے تھے اور وہ عمیر بھیا کی پسند سے ہی اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں' ایمان سات برس کی تھی جب عمیر بھیا کی شادی ہوئی' نہایت گوری چٹی تیکھے نقوش اور سنہری بالوں والی حرا بھابھی ایمان کو بے حد پسند آئی تھیں' حرا بھابھی بھی اس سے بہت پیار کرتی تھیں' اتنی چھوٹی اور معصوم سی بے ضرر نند سے انہیں بھلا کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔

ایمان کو بہت اچھی طرح یاد تھا کہ حرا بھابھی نے کبھی بھی اس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی تھی' نہ کبھی ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ ہی کبھی بلاوجہ کاموں کے لیے آواز دی' بلکہ وہ تو اس کا بہت خیال رکھتی تھیں' اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر لنچ باکس تیار کر کے اسے اسکول بھیجتیں اور ان کے پیار کرنے کا جو مخصوص اسٹائل تھا یعنی کہ ماتھے پر بوسہ دینا' وہ تو دل ہی موہ لیتا تھا۔

اس کے گھنے سیاہ اور بے تحاشا چمکیلے بالوں کی موٹی موٹی چوٹیاں بناتے ہوئے وہ مسلسل بولتی رہتی تھیں۔

"اف عمیر! ایمی کے بال کس قدر خوبصورت اور گھنے ہیں اور اتنے سلکی گویا ریشم۔" عمیر بھیا مسکرا کر ایمان کی طرف دیکھتے اور پھر اخبار کی طرف متوجہ ہو جاتے' جبکہ بھابھی کی تعریفوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک کہ اس کی وین کا ہارن سنائی نہیں دے جاتا تھا۔

چھٹی والے روز تو وہ ضرور زبردستی اسے گھسیٹ گھسیٹ کر گود میں دبائے تیل کی مالش کرتی تھیں اور پھر انڈے اور دہی کو مکس کر کے لگانے والا انتہائی تکلیف دہ کام بھی وہ بخوشی سرانجام دیتیں۔

"بالوں کی حفاظت کی اس سے بہترین ٹپ کوئی نہیں۔" بالوں کی مالش کرنے کے بعد وہ خود اپنے ہاتھوں سے اس کے ناخن تراشتیں۔

"دیکھو کتنے گندے نیلز ہو رہے ہیں تمہارے۔" وہ خفگی سے اسے گھورتیں اور پھر بہت پیار سے اس کے ناخن تراشتیں تاکہ ایمان کو تکلیف نہ ہو' بھابھی کی مہربانیوں کا سلسلہ حمزہ' عماد اور بسمہ کی آمد کے بعد بھی اول روز کی طرح ہی تھا' اسکول میں لڑکیاں اس کی بھابھی کے قصے سن سن کر رشک بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی تھیں' ایک دن اس کی کلاس فیلو عیشہ نے تو بڑے معصومانہ حسد بھرے انداز میں کہہ بھی دیا تھا۔

"یار ایمان! تم تو اتنی پیاری بھی نہیں ہو تب بھی تمہاری بھابھی تم سے اتنا پیار کرتی ہیں' جبکہ میں تو اتنی کیوٹ ہوں پھر بھی بھابھی کو زہر سے بری لگتی ہوں۔" کچھ لڑکیاں اس کی بے وقوفانہ بات سن کر ہنس پڑی

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
بن روئے آنسو
فرحت اشتیاق
قیمت --- -/200 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

تھیں اور بعض نے اسے قدرے دبی آواز میں ڈانٹا۔

"تم میں تو عیشہ عقل کی کمی ہے' اسی لیے تمہاری بھابھی تمہیں زہر کی پڑیا سمجھتی ہیں۔" اور عیشہ احمقوں کی طرح قل قل کرتی ان لڑکیوں کو گھورتی رہی اور پھر پاؤں پٹختی چلی گئی' جبکہ عیشہ کے الفاظ ایمان کے حلق کے کسی کونے میں پھنس کر رہ گئے تھے' گھر آکر بھی وہ کتنی ہی دیر گم سم رہی' بہانے بہانے سے کئی مرتبہ واش روم جاکر آئینہ کو دیکھا اور پھر قدرے مایوس سی منہ لٹکائے باہر آگئی' بھابھی نے اس کی رونی صورت دیکھی تو حیرانی سے اس کے قریب آکر بولیں۔

"ایمی! کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔

"کوئی بات تو ضرور ہے' اتنی غمگین صورت بنا کر کیوں بیٹھی ہو۔" بھابھی بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے کر بولیں۔ ایمان نے جواباً "کچھ نہیں" کہا تھا بس اک نظر انہیں دیکھ کر چہرہ جھکا لیا۔

"ٹیچر نے ڈانٹا ہے؟"

"نہیں۔"

"فرینڈز سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"نہیں۔"

"بھیا نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر بات کیا ہے۔ اتنی چپ چپ کیوں ہو۔" بھابھی اس کی "نہیں نہیں" کی گردان سے زچ ہو گئی تھیں۔ ایمان کی آنکھیں پل بھر میں ہی چھلک پڑیں اور حرا بھابھی ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں۔

"کیا بات ہے گڑیا! کچھ بولو بھی تو۔"

"بھابھی! کیا میں خوب صورت نہیں ہوں؟" اس کے غیر متوقع سوال نے حرا بھابھی کو ششدر سا کر دیا تھا۔ وہ کئی پل تو کچھ بول ہی نہیں سکی تھیں اور پھر کچھ سوچتے ہوئے جب وہ بولیں تو ان کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

"کیوں نہیں' ہماری ایمان بہت خوب صورت ہے' بہت ہی پیاری بلکہ سب سے پیاری' انتہائی معصوم' دلکش اور یہ بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں والی یہ ہے ایمان تمہاری ساری خوب صورتی ان آنکھوں میں سمٹ آئی ہے۔" بھابھی نے کتنے پیار سے اس کے دکھے دل پر مرہم رکھا تھا کہ دل کا بوجھ قدرے کم ہو گیا۔ اس نے بہت آرام سے عیشہ کی گفتگو بھابھی کے گوش گزار کر دی تھی' بھابھی کئی لمحے ہنستی رہیں اور پھر ایک دم ہی سنجیدہ ہو گئیں۔

"دیکھو ایمان! اب تم بچی نہیں ہو میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہو' اگلے سال کالج بھی چلی جاؤ گی۔ اب تمہیں بہت سمجھداری سے چلنا ہو گا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنے ہوں گے۔ زیادہ دوستیاں ترک کر دو کہ کبھی کبھی یہ "دوستی" بھی عذاب بن جاتی ہے۔ اور ہاں اب منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ' کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور بچے بھی انتظار کر رہے ہیں۔" اس کے دل کا بوجھ ختم ہو چکا تھا سو وہ بھی ہلکی پھلکی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کالج پہنچی تو اک نئی دنیا سے تعارف ہوا مگر بھابھی کی نصیحتیں اس کے ہمقدم تھیں۔ کالج کے چار سال بھی گزر گئے۔ آگے پڑھنے کا خیال اس نے دل سے نکال کر گھرداری میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی' بھابھی اور بھیا کے بے حد اصرار پر بھی اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لیا تھا۔

بھابھی کے رویے میں کب' کیسے اور کہاں سے تبدیلی آنا شروع ہوئی تھی۔ زیادہ سوچنے کا تردد اسے نہیں کرنا پڑا تھا۔

• عمار کے ساتھ منگنی کے بعد بھابھی کے لہجے میں کڑواہٹ سی گھلنے لگی تھی۔ بات بے بات طنزیہ گفتگو' طعنے اور ہمہ وقت جلی کٹی سنانا۔ وہ پہلے والی حرا بھابھی سے یکسر مختلف ہو گئی تھیں۔ وہ حرا بھابھی جن پر ایمان فدا تھی نہ جانے کہاں کھو گئی تھیں۔ ان کے لہجے کی شائستگی' مٹھاس اور لبوں کی میٹھی سی مسکان بھی غائب ہو چکی تھی۔ نفرت کا یہ ڈھکا چھپا اظہار اب آواز بن کر ارد گرد بھی گونجنے لگا تھا۔

عمار' حرا بھابھی کی سگی خالہ کا بیٹا تھا اور ان کی چھوٹی اور انتہائی لاڈلی بہن زونیہ کا کلاس فیلو بھی' زونیہ اور عمار کی دوستی بھی بہت تھی اور ان کی دوستی کے قصے بھابھی اکثر ہی اسے سنایا کرتی تھیں۔

انہوں نے ہمیشہ زونیہ اور عمار کو ساتھ ساتھ کھڑے دیکھا تھا مگر غیر متوقع عمار کے پہلو میں ایمان جا کھڑی ہوئی تھی۔ یہ زندہ جاوید حقیقت نہ تو ان کا دل قبول کر رہا تھا اور نہ ہی دماغ۔ ان کے ارد گرد چنگاریاں سی پھوٹ پڑی تھیں۔ زونیہ کو ماں کے مرنے کے بعد بالکل بیٹی کی طرح ہی انہوں نے شفقت و محبت دی تھی۔ اس کی ہر خواہش پوری کی' اور اب جبکہ پاپا بھی آنکھ موند کر چل بسے تھے تو زونیہ انہیں اور بھی زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔ وہ تو ابھی تک اس وقت کو کوستی تھیں کہ کیوں اپنی ماموں زاد بہن عموریہ کی شادی میں ایمان کو لے کر گئیں۔ نہ یہ کلموہی شادی میں جاتی' نہ عمار کی نگاہ اس پر پڑتی اور نہ ہی وہ اس حد تک اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ تو حیران تھیں کہ عمار نے بھلا اس میں دیکھا کیا ہے۔ حرا بھابھی کا پورا خاندان ہی خوب صورتی میں بے مثال تھا اور عمار اپنے خاندان کی انتہائی حسین لڑکیوں کو چھوڑ کر ایک معمولی لڑکی کی خاطر اپنے پورے خاندان سے لڑ پڑا۔

سب سے پہلے تو عمار کی امی مہر بیگم نے شدید قسم کا احتجاج کیا تھا' انہیں بہو کے روپ میں ایمان جیسی لڑکی پسند نہیں آئی تھی۔ انتہائی خاموش' سادہ اور دبو سی۔ انہیں تو عباد کی بیوی انابیہ جیسی بہو کی تلاش تھی اور اگر ایمان بھی انابیہ کی طرح حسین اور چنچل سی ہوتی تو وہ بخوشی اسے بہو بنا لیتیں مگر ایمان کو دیکھنے کے بعد ان کے دل میں دراڑ سی پڑ گئی تھی۔

عمار کی بڑی بہن آمنہ آپی کو خبر ہوئی تو وہ بھی جلتی کلستی فوراً میکے پہنچ گئیں۔ اور پھر عمار کے خوب ہی لتے لیے۔

"یہ پڑھتے پڑھتے کیا خناس بھر گیا ہے تمہارے دماغ میں۔ آرام سے پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو اور پھر اس بارے میں بھی سوچیں گے۔" آمنہ آپی نے اپنے تئیں بات مکمل کر دی تھی مگر عمار شاید اسی موقع کی

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں انشاء جی کی
ابن انشاء

باتیں اِنشاء جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: -/300 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی۔

تلاش میں تھا کہ کب یہ ذکر خیر چھیڑا جائے اور کب وہ اپنے مضبوط دلائل سے ان سب کو قائل کرے۔

"یہ میرا ماسٹرز کا آخری سال ہے۔ امید ہے کہ بابا کی کرم نوازی کے بعد فوراً ہی جاب بھی مل جائے گی اور میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد یقیناً اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔"

"عمار! ہمیں وہ لڑکی قطعاً پسند نہیں آئی۔" مہر بیگم نے لگی لپٹی بغیر ترشی سے کہا تو عمار کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے۔

"امی! پلیز۔" اس نے بمشکل ہی کوئی سخت لفظ کہنے سے خود کو روکا۔

"زونیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" آمنہ آپی اس کا بگڑتا موڈ دیکھ کر حلاوت سے بولی تھیں۔ عمار نے اک طویل سانس کھینچا۔

"زونیہ کے بارے میں مجھ سے نہیں ولید سے پوچھیں۔ وہ آپ کو ٹھیک ٹھیک جواب دے گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" آمنہ آپی نے ٹھٹک کر پوچھا تو عمار کے لبوں پر مسکان کھل اٹھی۔

"مطلب بھی وہ ہی صاحب آپ کو بتائیں گے۔"

"عمار! ایک بات کان کھول کر سن لو، پہلے حاشر اور ولید کی بات طے ہوگی پھر تمہارا سوچیں گے۔ اس سے پہلے ہم اس لڑکی کے گھر جانے والے نہیں۔" مہر بیگم جو ٹیلی فون کی بیل سن کر اٹھ گئی تھیں۔ واپس آکر اسی سخت لہجے میں بولیں تو عمار مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ہوں۔ تو پہلے ولید کی نیا پار لگانی ہوگی مگر حاشر والا معاملہ تو میرے بس کی بات نہیں۔ وہ اڑیل گھوڑا، ضدی، ڈھیٹ اور بد دماغ سا بندہ میری کہاں سنے گا۔" وہ سوچتے ہوئے اٹھا اور سیدھا ولید کے آفس جا پہنچا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے روبرو تھا۔

"کیوں آئے ہو؟" ولید کافی مصروف تھا اسی لیے قدرے جھنجلا کر عمار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔" عمار نے کان کھجا کر شرارت سے کہا تو ولید کی تیوری چڑھ گئی۔

"پانچ بجے تک میں نے گھر آہی جانا تھا کیا ضرورت تھی دفتر میں آنے کی۔"

"بس تمہیں دیکھے ہوئے سات گھنٹے ہو چکے تھے دل دیدار کو مچلا تو میں دوڑا چلا آیا۔" عمار نے مسکراہٹ دبائی تو ولید کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"بکواس نہ کر اور کام بتا۔"

"کام تمہارے ہی مطلب کا ہے۔" عمار نے ذرا تجسس پھیلانے کی کوشش کی تو ولید نے فوراً ہی ہاتھ جوڑے۔

"اب دس گھنٹے فضول کی بک بک کر کے میرا دماغ مت چاٹنا۔"

"زونیہ کے متعلق بات ہے۔" عمار کی توقع کے عین مطابق ولید صاحب پہلے چونکے پھر ٹھٹکے اور پھر خوشامدی سی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

"یار عمار! یہ گاڑی کی چابی لے اور چل کر گاڑی میں بیٹھ۔ میں ابھی بیس منٹ میں یہ فائل بخاری صاحب کے متھے مار کر آتا ہوں۔ پھر لنچ ہی چلیں گے۔ ڈنر کے بعد ہی اس اہم ترین معاملے کو ڈسکس کیا جائے گا۔" ولید کے کہنے پر عمار گاڑی کی چابی جھپٹ کر کھڑا ہو گیا اور پھر مسکراتے ہوئے جاتے جاتے بولا۔

"بہت "مطلبی" ہو تم ولی۔"

"پر تم سے کم۔" ولید نے بھی ترنت جواب دیا تھا اور پھر فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

* * *

ویٹر کو آرڈر نوٹ کروانے کے بعد وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ ولید کو تمام بات بتانے لگا تھا۔ ولید بھی چونکہ امی کی ضد سے واقف تھا لہٰذا پر سوچ انداز میں سر ہلاتا رہا۔

"امی کی ضد فضول ہے۔ شادی نہ سہی کم از کم رشتے کی بات تو کریں نا۔ ظاہر ہے وہ لڑکی والے ہیں۔ عمیر بھائی ان دنوں میں اس کی کہیں بات وغیرہ نہ چلادیں۔ اب حرا آپا ۔۔ گھر تو نہیں بٹھائے رکھیں گی۔"

"یہی بات تو میں آمنہ آپی کو سمجھاتا رہا ہوں مگر ان لوگوں کی بھی ایک ہی رٹ ہے کہ پہلے ولید اور حاشر پھر میں۔ کاش میں تم دونوں سے چند سال پہلے ہی اس دنیا میں آجاتا۔" ولید اور حاشر دونوں ٹوئنز تھے اور عمار سے صرف چند سال بڑے۔ عمروں میں چونکہ اتنا فرق نہیں تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا اسی لیے ان دونوں میں خوب دوستی بھی تھی جبکہ حاشر ان سب سے الگ تھا۔ ساری زندگی ابوظہبی میں گزری تھی کیونکہ جب یہ دونوں پیدا ہوئے تھے تب ہی امی اور بابا نے ابوظہبی میں مقیم ان کے تایا جو کہ بے اولاد تھے ان کی گود میں اپنے بیٹے حاشر کو ڈال دیا تھا اور یوں حاشر ان سے الگ ابوظہبی "تایا، تائی" کی مہربان گود میں پلا بڑھا۔ تقریباً چھ سال پہلے تایا تائی کا بھی انتقال ہو گیا تھا مگر حاشر ان سب کے بے انتہا اصرار، محبت بھرے بلاووں پر بھی واپس نہیں آیا تھا۔ صرف تین سال پہلے جب بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تو محض ایک مہینے کے لیے آیا تھا۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا۔" کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد ولید نے آہستگی سے کہا تو عمار نے کافی خفگی بھری نگاہوں سے اپنے پیارے بھائی کو گھورا۔ جو کہ ان سب بھائیوں میں سب سے زیادہ نرم مزاج اور حلیم طبع تھا۔ اس کی خوبروئی کو یہ معصومیت بھری شرافت چار چاند لگا دینے کے لیے کافی تھی۔

"عمار! تم امی کو زونیہ کے متعلق بتاؤ۔ تاکہ کم از کم تمہارا بوجھ تو میرے نازک کندھوں سے ہٹے اور رہی حاشر کی بات تو وہ میں خود ہی معاملہ نمٹا لوں گا۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" ولید سعادت مندی سے سر ہلا کر بولا۔

"اب پیٹ پوجا کر لی جائے۔" ویٹر کو آتا دیکھ کر عمار نے بے صبری سے کہا اور پھر دونوں ہی آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے لگے۔

گھر آکر عمار نے سب سے پہلے ایمان کو فون کھڑکایا تھا۔ اور اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ فون ایمان نے ہی اٹھایا۔

"کیسی ہو ایمان؟" اس محبت بھرے لہجے کا وہ جواب دیتی بھی تو کیا۔ وہ تو عمار کی اس درجہ محبت پر ہی پریشان تھی کہ اوپر سے بھابھی کی تلخ و ترش باتیں۔

"ہیلو، ایمان سن رہی ہو۔ پلیز فون بند مت کرنا میری بات سنے بغیر۔" دوسری طرف بے حد التجائیہ لب و لہجے میں درخواست کی گئی تھی۔ ایمان بے بسی کے عالم میں ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

"میں بہت لمبی بات نہیں کروں گا نہ ہی کسی تمہید باندھنے میں وقت ضائع کروں گا۔ صرف اتنا بتا دو کہ تمہیں میرا ساتھ قبول ہے۔ اگر میں امی بابا کو بھیجوں تو تمہاری طرف سے انکار تو نہیں ہوگا کیونکہ حرا آپا کی طرف سے مجھے انکار کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ بس دھڑکا ہے تو تمہاری اس ۔ چپ کا۔ مجھے یہ خاموشی "خوف" میں مبتلا کر دیتی ہے۔ تمہاری طرف سے انکار کا خوف، پلیز یار کچھ تو بولو۔ ہاں یا نہ میں جواب دے دو۔ اگر میں تمہیں پسند نہیں تب بھی صاف صاف بتا دو۔ زبردستی تھوڑی ہے۔

دیکھ لینا پھر میں کبھی تمہیں فون نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی اس بات کا دوبارہ ذکر ہوگا اور پھر کبھی زندگی میں دوبارہ ملے بھی تو اجنبی بن کر ہی ملیں گے۔ یہ عمار کا تم سے وعدہ ہے۔" عمار نہ جانے اور بھی کیا کیا کہہ رہا تھا۔ ایمان تو بس اس کی آواز کے سحر میں ہی کھو گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ جسے لاکھ کوششوں کے باوجود بھی دل میں بسنے سے نہیں روک پائی تھی۔ وہ ایمان سے محبت کرتا تھا۔ اس کی شدید محبت اس کے لفظ لفظ میں پوشیدہ تھی۔ عمار کی محبت اس کی دیوانگی کی شدت نے اسے پگھلا دیا تھا۔

وہ بھی اسے چاہنے لگی تھی۔ اسی شدت سے جس کی تمنا عمار کو تھی۔ ایمان کا اقرار عمار کے دل پر پھوار بن کر برسا تھا اور پھر نہ جانے کیسے اس نے اپنے گھر والوں کو منایا۔ وہ جب بھی پوچھتی عمار ٹال جاتا یا پھر خفگی دکھانے لگتا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔" عمار نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔ ایمان دل مسوس کر رہ جاتی۔

ادھر اگر عمار کی بے تحاشا محبت تھی تو دوسری طرف عزیز از جان بھابھی کی بے رخی دل و روح کو بے چین کیے رکھتی۔

اس کی منگنی اور نکاح کے درمیانی عرصہ تک حرا بھابھی کو اک گہری چپ نے اپنی لپیٹ میں لیے رکھا تھا اور اس کے بعد ان کی زبان کے جوہر کھلنے لگے۔ ان کا لفظ لفظ گویا زہر میں ڈوبا ہوتا تھا۔

"مردوں کو رجھانے کی ادائیں نہ جانے کہاں سے سیکھی ہیں۔" ایمان آنسو پیتی خاموشی سے سنتی رہتی۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ سارا دن کاموں میں مصروف رہنا اور پھر رات کی تاریکی میں گھٹ گھٹ کر رونا۔ عمیر بھیا کے سامنے ان کی زبان پہلے کی طرح ہی شہد ٹپکانے لگتی تھی۔ حرا بھابھی کا یہ منافقانہ رویہ اور خوشامدی انداز بھی اس نے اب ملاحظہ کیا تھا۔

"عمار کی ضد کی وجہ سے خالہ جان مجبور ہو گئی ہیں ورنہ ایمان تو انہیں قطعاً "پسند" نہیں۔" اس وقت بھی وہ ٹیلی فون گود میں رکھے نہ جانے کس سے گفتگو فرما رہی تھیں۔ آج کل ہر وقت ایمان کا ذکر ان کے لبوں پر اور زبان اس کی "خوبیاں" فراٹے سے بیان کرتی تھی۔

"نہ جانے کون سا جادو کیا ہے اس گھنی میسنی نے عمار پر، نہ کسی کی سنتا ہے نہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ بس ایک ہی تکرار۔ میں نے بھی کہہ دیا ہے کہ دو سال سے پہلے تو رخصتی نہیں کروں گی۔ چاہے جو مرضی کرو۔" وہ لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی اور حرا بھابھی مسلسل اسے نگاہوں کی زد میں لیے گھور رہی تھیں۔ ایمان نے تیز تیز ہاتھ چلا کر کام ختم کیا اور پھر کچن میں گھس گئی مگر ان کی آواز تو بغیر کسی رکاوٹ کے یہاں تک بھی با آسانی پہنچ رہی تھی۔

"نہیں یار، زونیہ مانے بھی تو۔ اتنا اصرار کیا تھا میں نے کہ ادھر آ کر رہ لو، پاپا کے بعد زیتون بوا کے ساتھ تنہا رہنا مناسب نہیں۔ وہ بوڑھی عورت بھلا کیا سہارا دے سکتی ہے مگر زونیہ نہیں مانی۔ اب ان "محترمہ" کو ٹھکانے لگا کر ہی اس کے بارے میں سوچوں گی۔" گفتگو کا رخ زونیہ کی طرف مڑتے مڑتے ایک مرتبہ پھر اس کی ذات کے گرد گھومنے لگا تھا۔ اور اپنی ذات کا یوں موضوع بحث بننا، توہین آمیز باتیں سننا کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا۔ وہ بے بسی کے احساس سے لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

* * *

"میری جان یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ یہ الجھے بال، ستا ہوا چہرہ، زونیہ! کیا بات ہے۔ کیوں اس طرح کمرے میں اندھیرا کیے بے سدھ پڑی ہو؟" حرا، زونیہ کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے بستر میں بے وقت لیٹا دیکھ کر ان کے دل پر گویا گھونسا پڑا تھا۔

"عمار! تیرا بیڑا غرق ہو، میری بہن کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔ تیری بھی دل کی مراد کبھی نہ پوری ہو۔" عمار کو دل ہی دل میں تین چار گالیوں سے نواز کر انہوں نے زونیہ کا کمبل کھینچا تو وہ کسمسا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا بات ہے آپا! صبح صبح جگا دیا ہے۔"

"یہ صبح ہے۔ گھڑی کی طرف دیکھو بارہ بج چکے ہیں۔" حرا اس کی گلابی آنکھوں میں تیرتے ڈوروں کو دیکھ کر افسردگی سے بولیں۔

"شاید رات بھر روتی رہی ہے یہ۔" ان کے دل کو گویا کسی نے مٹھی میں بھینچ کر مسل ڈالا تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر عمار کو دل ہی دل میں کوسا۔

"اصل میں رات میں ایک بہت اچھا ناول پڑھتی رہی ہوں۔ اسی لیے دیر سے سوئی تھی۔ لہٰذا اپنے وقت پر آنکھ بھی نہیں کھل سکی۔" زونیہ نے بالوں کو کیچر میں سمیٹ کر اک اور طویل سی جماہی لی تو حرا کو اس کی بات پر بالکل یقین نہ آیا۔

"یہ ایمان کمینی کتنی بخت آور ہے۔ بیٹھے بٹھائے سب کچھ مل گیا۔" حرا کی جلن زبان پر آ گئی تھی، زونیہ کے منہ میں بھی گویا کڑوے بادام آ گئے۔

"آپا پلیز! اس فضول سی ایمان کا ذکر کم از کم میرے سامنے مت کیا کریں۔" زونیہ کے انداز میں لاپرواہی

تھی۔ حرا کے دل پر ملال کے گہرے بادل چھا گئے۔

"تم دل چھوٹا مت کرو' عمار میں ایسے بھی سرخاب کے پر نہیں لگے کہ اس کی خاطر جوگ لے لیا جائے میری تو۔۔۔"

"کیا مطلب آپا۔" زونیہ کو حرا کی بات سے گویا کرنٹ لگا تھا۔ وہ ایک دم اچھل کر دور ہٹی اور پھر خفگی سے بولی تھی۔

"تم عمار سے' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔" زونیہ کا انداز ہی ایسا تھا کہ حرا ہکلا کر رہ گئیں۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں بھلا عمار سے اُف آپ نے سوچا بھی کیسے وہ میرا دوست ہے' کزن اور کلاس فیلو بس۔"

"او اچھا میں سمجھی کہ تم عمار میں انٹرسٹڈ ہو۔" حرا کے ذہن و دل سے بھی غبار کے بادل چھٹ گئے تھے۔

"تو پھر میں تمہیں ایک خوشخبری سناتی ہوں خالہ نے تمہارے لیے ولید کا پرپوزل دیا ہے۔"

"کیا۔" زونیہ کو جھٹکا لگا تھا جبکہ حرا خوشی خوشی باقی تفصیل بتانے لگی تھیں کہ رات کو خالہ نے فون پر ان سے بات کی تھی جبکہ وہ پورے دل سے نہ خوش ہو پائیں اور نہ ہی انہوں نے خالہ سے ٹھیک طریقے سے بات کی۔

"ولید بینک میں اعلا عہدے پر فائز ہے' اپنی گاڑی بھی ہے۔ مجھے تو عمار کے مقابلے میں ولید ہی زیادہ پسند تھا مگر تمہاری وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھی۔ اب جبکہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے تو میں خالہ کو خوشخبری سنا دیتی ہوں اور۔۔۔"

"پلیز آپا خاموش ہو جائیں۔" زونیہ نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر چلا کر کہا تھا۔ حرا یکدم ہی خاموش ہو گئیں۔

"سارے فیصلے خود بخود کر لیے ہیں۔ میری مرضی میری رضا پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔" شدت جذبات سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ حرا چونک اٹھی۔

"تمہاری مرضی۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں اور پھر قدرے ناگواری سے بولیں۔

"ابھی تمہاری مرضی ہی پوچھنے کے لیے آئی ہوں۔"

"آپ خالہ کو انکار کر دیں۔"

"وجہ۔۔۔؟" حرا کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔

"مجھے ولید پسند نہیں۔"

"کیا برائی ہے اس میں۔"

"کوئی برائی نہیں میں نے کبھی اس کے متعلق ایسا سوچا نہیں۔"

"تو اب سوچ لو۔"

"بس سوچ لیا۔"

"کیا؟"

"کہ مجھے ولید سے شادی نہیں کرنی۔"

"تو پھر کس سے کرنی ہے۔" حرا زچ ہو کر چلا اٹھی تھیں۔ جبکہ زونیہ اضطراری انداز میں ٹانگیں جھلاتی رہی۔

"بولو کون ہے وہ؟" حرا نے تلخی سے کہا۔ زونیہ نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ سامنے کی پینٹنگ کو بغور دیکھتی رہی۔

"میں تم سے مخاطب ہوں۔"

"کوئی نہیں۔" اس کی نگاہوں کی بے چینیاں کسی اور راز کو فاش کر رہی تھیں۔

"جھوٹ مت بولو۔" حرا کو قطعاً "یقین نہیں آیا تھا۔

"یہی سچ ہے۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔" حرا نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔

"آپ کچھ بھی سمجھتی رہیں۔" زونیہ لاپروائی سے بولی تو حرا تنک اٹھیں۔

"میں تمہاری خاطر پریشان ہوں' تمہارا گھر بسا دیکھنا چاہتی ہوں اور تم۔۔۔"

"آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔" اس کی بے نیازی ہنوز قائم تھی۔

"تو پھر کون ہے جو تیرے غم میں گھلے گا بھائی اپنی الگ دنیا بسا کر بیٹھ گیا ہے۔ فکر ہی نہیں کہ بہن تنہا اکیلی اتنے بڑے گھر میں رو رہی ہے مگر۔۔۔"

"آپا بس کریں' یہ رمیز کی زندگی ہے' اسے اپنی زندگی جینے دیں۔"

"تم اتنی بے حس کیوں ہو رہی ہو۔"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر وہ بھنچی آواز میں بولی تھی۔

"زونیہ! یہ کیا پاگل پن ہے۔" حرا نے اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار سے کہا تو وہ نہ جانے کیوں پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"بتاؤ کون ہے وہ۔"

"پوچھ کر کیا کریں گی۔" وہ بھیگی آواز میں بولی۔

"میں پوچھ رہی ہوں کون ہے وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے۔"

"میرے دل میں رہتا ہے۔" زونیہ آنسو پونچھ کر اب مسکرا رہی تھی۔ حرا نے سر تھام لیا۔

"اس شہزادے کا کوئی نام بھی ہے کہ نہیں۔"

"ہے تو وہ واقعی شہزادہ مگر نام ہے۔" وہ جان بوجھ کر سوچنے کی ایکٹنگ کرنے لگی تھی۔ حرا نے اس کے کان کو پکڑ کر زور سے کھینچا تو وہ چیختے ہوئے بولی۔

"بتاتی ہوں آپا پلیز کان تو چھوڑیں۔"

"بتا بھی دو۔" حرا نے بے چینی سے پوچھا۔

"حاشر۔۔۔"

"کیا۔۔۔" حرا پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

* * *

حرا بے حد پریشان اور الجھی الجھی سی گھر آئیں تو ایمان ان کے چہرے پر پھیلے تفکر کے سائے دیکھ کر چونک اٹھی۔

"نہ جانے بھابھی کو کیا پریشانی ہے۔" اس کا صدا کا نرم دل بھابھی کی اتری صورت دیکھ کر بے چین ہو اٹھا تھا۔

"پتا نہیں بات کیا ہے۔ اگر میں پوچھوں گی تو یقیناً غصہ کریں گی۔" وہ کھانا پکاتے ہوئے مسلسل سوچے جا رہی تھی اسی اثنا میں حرا کچن کے دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔

"ایمان! ایک کپ چائے بنا دو۔ سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور تم بھی اب کچن سے نکل کر کچھ دیر آرام کر لو۔ ویسے اب طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" حرا بھابھی کے اتنے نرم ملائم لہجے اور میٹھی آواز کو سن کر ایمان بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ آنکھوں میں ڈھیروں حیرت لیے اس نے اپنی طبیعت کے "اچھا" ہو جانے کا بتا کر دوسرے چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ چائے کے کپ اور ہمراہ ایک عدد ٹیبلٹ کے ٹرے سمیت بھابھی کے کمرے میں موجود تھی۔

"بھابھی! سر بہت درد کر رہا ہے تو دبا دوں۔"

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ ایک گھنٹے تک آرام کروں گی تو خود بخود طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" لہجے کی نرمی ابھی تک برقرار تھی۔ ایمان حیران پریشان سی لائٹ آف کر کے باہر آ گئی۔

"بھابھی کو نہ جانے کیا ہوا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے ان کی "واقعی" طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا تھا اسی اثنا میں فون کی بیل گنگنا اٹھی۔ اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے آتی عمار کی آواز سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہو گئی تھیں۔

"کیسی ہو ایمان ڈیئر! ابھی یاد ہی کر لیا کرو مجھے۔"

"یاد انہیں کیا جاتا ہے جو بھول چکے ہوتے ہیں۔ جو ہمہ وقت دل میں بستے ہوں۔ جن کا نام سے ہی صبح اور شام میں رنگینیاں ہوں' جن کے ذکر سے تن من پر ٹھنڈک کی پھوار برسنے لگتی ہے اگر وہ بھی "یاد" کرنے کا شکوہ کریں تو پھر کیا کہا جا سکتا ہے۔" وہ بے ساختہ عمار کی بات کاٹ کر بولی اور پھر بولتی ہی چلی گئی جبکہ عمار اس کے بولنے اور "اتنا" بولنے پر خوشگوار حیرت میں گم ہو گیا تھا۔

"تم ایمان ہی ہو یا پھر میں ہی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"میں "ایمان" ہوں اور آپ کوئی خواب نہیں دیکھ رہے بلکہ مجھ سے گفتگو کر رہے ہیں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔ عمار کے لبوں پر بھی مسکان پھیل گئی۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ "ایمان" ہیں اور میں بے ایمان۔ اتنے پیار سے بات مت کرو کہ دل تمام حدود کو پار کرنے کا سوچ لے اور میں نے جو حرا آپا سے عہد کر رکھا ہے اسے توڑنا پڑے۔"

"ایسا آپ سوچیے گا بھی مت، ورنہ بھابھی کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔" ایمان نے اسے دھمکانا چاہا۔

"بھابھی اب کچھ نہیں کر سکتیں، کیونکہ ہم تمام حقوق اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ بھابھی کا ہوا دل سے نکال دو۔" عمار کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"اتنی خوش فہمی بھی اچھی نہیں۔ حرا بھابھی کا موڈ بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

"اسی لیے تو "کچے" کاغذوں پر دستخط کروالیے ہیں۔" عمار نے مسکرا کر کہا۔ خوشی گویا اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"یار ایمان! میں تمہیں فون کر سکتا ہوں نا۔" انداز بھرپور اجازت لینے والا تھا۔ ایمان کو ہنسی آگئی۔

"آپ اب بھی فون ہی کر رہے ہیں اور یقیناً فون کرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے اجازت ہرگز نہیں لی تھی۔"

"لڑکی! تمہیں تو بولنا بھی آگیا ہے۔" عمار نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"آپ کی محبت کا اعجاز ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"ابھی تو تم نے میری محبت دیکھی کہاں ہیں۔ جو کچھ میرے دل میں تمہارے لیے ہے اگر ایک مرتبہ جھانک کر دیکھ لو میرے دل میں تو پھر تم، تم نہیں رہو گی۔" وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔ اس کی محبت کی شدت محسوس کرتے ہوئے ایمان کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔

"میں اتنی خوب صورت تو نہیں ہوں۔"

"بے وقوف محبت کیا خوبصورتی دیکھ کر کی جاتی ہے۔" عمار نے اسے خفگی سے ڈپٹا تو دل میں پھنسی آخری پھانس بھی دھیرے سے نکل گئی تھی۔

بچوں کی وین کا ہارن بجا تو اس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا تھا، مگر عمار کی آواز، اس کی باتیں، اس کے کانوں میں ابھی تک رس گھول رہی تھیں۔ ابھی بھی عمار کی سحر انگیز آواز کے زیر اثر تھی، اسی لیے تو اس سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ برتن، پلیٹیں ہاتھ سے پھسل پھسل جاتے تھے، بچوں کے لیے ایپل شیک بنایا تو بجائے شوگر کے ڈھیروں نمک جگ میں ڈال دیا۔ اب تو حمزہ کو اچھی خاصی تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

"پھوپھو! کیا بات ہے؟ کیا عمار ماما کا فون آیا تھا۔" اس کے بارہ سالہ بھتیجے نے آنکھیں پٹپٹا کر کہا تو حماد اور بسمہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"ہوں، یقیناً" عمار ماما کا فون ہی آیا ہو گا، تبھی تو پھوپھو اتنی خوش دکھائی دے رہی ہیں۔" حمزہ اپنے اندازے کی درستگی پر نازاں سا فخر سے چھوٹے بھائی اور بہن کو دیکھ کر بولا تو ایمان چونک اٹھی۔

"کیا میری خوشی چہرے سے چھلک رہی ہے کہ بچوں تک نے فوراً محسوس کر لیا۔" وہ حیرت زدہ سی چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچتی رہی۔

دوسرے دن صبح صبح حرا بھابھی گھر سے تیار شیار ہو کر باہر نکلیں، اسے بڑے پیار سے چند ایک ہدایات دیں اور یہ کہتے ہوئے کہ "میں تمہاری سسرال جا رہی ہوں۔" باہر نکل گئیں، اچانک کچھ یاد آنے پر وہ جاتے جاتے پلٹیں، اک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"عمار کو کوئی پیغام تو نہیں دینا۔"

"نن، نہیں۔ تو۔" ایمان نے ہکلاتے ہوئے بمشکل کہا تھا، بھابھی مسکراتے ہوئے پلٹ گئیں۔ ایمان ابھی تک ششدر سی کھڑی تھی۔

بھابھی کے رویے کی اس اچانک تبدیلی کا کوئی سرا کم از کم اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ بھابھی کے جانے

کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد زونیہ آگئی تھی۔ کافی عرصے بعد وہ ان کے گھر آئی تھی۔ لہٰذا ایمان کو کافی خوش اخلاقی برتنی پڑی۔ ورنہ جتنی تک چڑھی اور موڈی سی زونیہ تھی "ایمان قطعاً" اس سے بات کر کے اپنا مزاج برہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی زونیہ اس کے پاس بیٹھتی ہی کب تھی۔ جب بھی آتی بھابھی کے کمرے میں ہی گھسی رہتی مگر اس وقت وہ بھی ایمان کو حیران کرنے کے چکروں میں تھی۔

"آج کل کیا کر رہی ہو ایمان!"

"کچھ بھی نہیں۔" ایمان نے جز بز ہوتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا۔

"یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیتیں۔"

"بس ایسے ہی آگے پڑھنے کا موڈ نہیں بنا تو گھرداری میں ہی دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔" وہ اٹھ کر فریج میں سے پیپسی کی بوتل نکال لائی تھی۔ زونیہ کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے نازک سے گلاس میں پیپسی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"گھرداری سیکھنا تو اچھی بات ہے۔ مستقبل میں تم نے یہی کام تو کرنا ہے۔" نہ جانے یہ طنز تھا کہ سراہنے کا کوئی انداز، ایمان سمجھی نہیں تھی۔ تاہم بغیر برا منائے نرمی سے بولی۔

"ہر لڑکی چاہے کوئی ڈاکٹر ہو یا انجینئر کرتی تو اسے بھی گھرداری ہی ہے۔ کیونکہ شوہروں کو بیویاں کچن میں کام کرتی ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" زونیہ نے اس کی بات سے اتفاق کر کے اسے ایک مرتبہ پھر حیران کر دیا تھا۔

"ویسے کوئی کمپیوٹر وغیرہ کا کورس کر لینا تھا۔" زونیہ نے ایک اور مخلصانہ مشورہ دیا۔

"ہاں کبھی سوچوں گی۔" ایمان نے ٹالنے والے انداز میں کہہ کر جان چھڑانی چاہی۔

"آپا کہاں گئی ہیں؟" یہ سوال اسے آتے ساتھ ہی کرنا چاہیے تھا، اتنی تاخیر سے آپا کی غیر موجودگی کے بارے میں اس نے بڑے لاپروا سے انداز میں پوچھا تھا۔

"وہ عمار کے گھر گئی ہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ تو نہیں بتایا انہوں نے کہ کیا کرنے جا رہی ہیں، شاید کوئی کام ہو۔" ایمان اس کی حیرت سے کھلی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔ زونیہ کو بے چینی نے گھیر لیا۔

"خالہ جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ پیشانی مسلتے ہوئے دھیرے سے بولی اور پھر فون سیٹ گھسیٹ کر گود میں رکھ لیا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہاں، زین یہ بتاؤ آپا تمہاری طرف آئی ہیں؟" دوسری طرف شاید زین نے ریسیور اٹھایا تھا۔ رسمی سی علیک سلیک کے بعد زونیہ نے مطلب کی بات کی۔ خالہ کا حال احوال پوچھا اور پھر فون کریڈل پر رکھ دیا۔

"اچھا ایمان اب میں چلتی ہوں۔" وہ ایکدم ہی اٹھی تھی اور پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی، جبکہ ایمان پر سوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

* * *

"میرے بچے، میری جان کب تک ماں کو سزا دو گے۔ کب اپنی صورت دکھاؤ گے۔ میں تمہاری شکل دیکھنے کے لیے ترس گئی ہوں۔ اس وقت آؤ گے جب میں نہیں رہوں گی۔" مہر بیگم ریسیور ہاتھ میں پکڑے زاروقطار رو رہی تھیں، جبکہ دوسری طرف حاشر ماں کے رونے دھونے اور ان کی التجاؤں کی وجہ سے کافی جھنجلا رہا تھا۔

"پلیز امی! رونا تو بند کریں، آئندہ میں بالکل فون نہیں کروں گا۔" حاشر نے فون نہ کرنے کی دھمکی دی تو مہر بیگم کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔

"ماں تڑپتی ہے تو تڑپے بھلا تمہیں کیوں پروا ہو گی۔ تمہاری یاد میں روتے روتے ایک دن مر گئی تو پھر دوڑتے ہوئے آجانا۔"

"امی! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں۔ آپ کو بتایا تو ہے کہ میں فی الحال پاکستان نہیں آسکتا۔ آج کل میں

اٹلی میں ہوں اور ناصر اور عامر کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے کا ارادہ ہے میرا۔ کام وغیرہ سیٹ ہو جائے تو پھر آپ عمار کو بھی بھیج دیجیے گا۔ میرے لیے بھی آسانی ہو جائے گی۔" حاشر نے تفصیلاً بتا کر اپنی نہ آنے کی مجبوری بتائی۔

"میں نے یہاں تمہارے لیے کافی لڑکیاں دیکھی ہیں۔ تم کہو تو تصویریں بھیج دوں۔" انہوں نے ممتا سے لبریز لہجے میں کہا۔

"چلو جی ایک اور سیاپا۔" حاشر زیر لب بڑبڑایا۔

"آپ نے اتنی لڑکیاں دیکھنے کی زحمت کیوں کی ہے۔ شادی تو میں نے ایک سے ہی کرنی ہے اور..."

"اور کیا؟" وہ کچھ کہتے کہتے رکا تو مہر بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔

"اور یہ کہ لڑکی میں پسند کر چکا ہوں۔"

"کون ہے؟ کیسی ہے؟ پہلے تو تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔" مہر بیگم کو اداسی نے گھیر لیا۔ وہ تو یہ چاہتی تھیں کہ حاشر کی پاکستان شادی کر دیں' اسی بہانے وہ آ جاتا تو رہے گا۔ اس کی بات سن کر وہ کافی آزردہ ہو گئی تھیں۔

"پہلے کبھی آپ نے پوچھا بھی تو نہیں۔" حاشر نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا تمہارے ساتھ پڑھتی تھی؟"

"ارے نہیں تو ناصر کی بہن ہے میرو۔" حاشر نے مختصر بتا کر ان سے فون کرنے کی اصل وجہ پوچھی تو مہر بیگم کو بھی اچانک خیال آیا۔

"ہاں' میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ ولید کے لیے میں نے زونیہ کو پسند کر لیا ہے۔ خیال تو پہلے بھی یہی تھا' مگر ولید کی طرف سے خدشہ تھا مجھے' حالانکہ میرا بیٹا تم سب سے زیادہ فرماں بردار ہے' پھر بھی میں نے سوچا اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی نہ ہو' مرا سے میں نے بات کر لی ہے۔ اس نے بھی رضامندی دے دی ہے۔ اب باقاعدہ رسم کرنے کا ارادہ ہے۔ میرا جی تو چاہ رہا ہے کہ منگنی کے چکر میں پڑنے کی بجائے شادی کر دی جائے' کیونکہ ادھر عمار بھی باؤلا ہوا جا رہا ہے۔

ویسے میرا تو یہی خیال تھا کہ تمہاری اور ولید کی اکٹھی شادی ہوتی۔ مگر تم کون سا پہلے میری بات مانتے ہو جو اب آرام سے مان جاؤ گے۔"

"تو آپ عمار کی شادی کر دیں نا۔" حاشر نے تمام تفصیل بغور سننے کے بعد مشورے سے نوازا تو مہر بیگم خفگی سے بولیں۔

"نکاح تو کر دیا ہے' بس رخصتی باقی ہے۔ اب ولید کی شادی سے فارغ ہو کر ہی سوچیں گے' اتنے میں عمار کا ماسٹرز بھی مکمل ہو جائے گا۔"

"ولید کی شادی پر جتنے اخراجات ہوں گے' مجھے بتا دیجیے گا۔ میں پیسے بھیج دوں گا۔"

"اچھا میرے بچے اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔" مہر بیگم بھیگی آنکھیں صاف کر کے تخت پر بیٹھ گئیں۔ انابیہ امی کو آزردہ دیکھ کر سبزی کی ٹوکری اٹھائے کچن سے باہر آ گئی تھی۔

"کیا کہہ رہا تھا حاشر؟" انابیہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" مہر بیگم کسی سوچ میں گم تھیں' اسی لیے مختصر بولیں۔

"پاکستان نہیں آئے گا۔"

"فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں ہے' اگر موڈ بن گیا تو آ جائے گا' ورنہ..." انہوں نے ایک طویل سانس کھینچ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اور پھر اک نظر انابیہ پر ڈال کر بولیں۔

"تم نے ابھی کھانا بھی نہیں بنایا اور ابھی بچے بھوک بھوک چلاتے اسکول سے آ جائیں گے اور عباد اور عمار کے بھی آنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

"پلاؤ دم پر ہے' جبکہ رائتہ بھی بنا چکی ہوں' بچے آئیں گے تب ہی کباب فرائی کروں گی۔ یہ مٹر آپ چھیل دیں' تاکہ میں انہیں فریز کر دوں۔" انابیہ نے مٹروں سے بھری ٹوکری ساس کے سامنے رکھی اور پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"امی! آج کل رافیہ کے بھی بہت اچھے رشتے آ رہے ہیں' مگر میرا خیال تھا کہ..." مہر بیگم انابیہ کی

نامکمل بات کا مفہوم سمجھ گئی تھیں اسی لیے ایک سرد آہ ان کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"ہر خواہش پوری کب ہوتی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ حاشر کی ادھر شادی کروں گی' اسی بہانے وہ نظر تو آئے گا مجھے' مگر..."

"حاشر نے کچھ کہا ہے کیا؟" انابیہ پریشانی سے بولی۔

"ہوں۔" ان کا انداز مبہم سا تھا۔ انابیہ کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔

"کیا کہا ہے حاشر نے۔"

"کہتا ہے میرے لیے لڑکی وغیرہ پسند نہ کریں۔"

"مگر کیوں؟" انابیہ نے ٹھٹک کر ساس کا رنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"کیونکہ یہ کام وہ خود کر چکا ہے۔" مہر بیگم نے اک اور طویل سانس کھینچی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو واضح ہے' لڑکی اس نے پسند کر لی ہے' ناصر کی بہن ہے اور وہیں اٹلی میں ہی ہوتی ہے۔ مزید اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی میں نے پوچھا ہے۔ میرا تو پہلے ہی دل بجھ سا گیا تھا عمار کی ضد کی وجہ سے۔ اب حاشر نے بھی پریشان کر کے رکھ دیا ہے' مگر خیر ہے بچوں نے زندگیاں گزارنی ہیں۔ اچھا ہے اپنی پسند سے شادیاں کریں' کل کو ماں' باپ کو تو قصوروار نہیں ٹھہرائیں گے۔" انہوں نے مٹر چھیلتے ہوئے بے زاری سے کہا۔

"پھر بھی امی حاشر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"بھئی کیوں نہیں کرنا چاہیے' اس نے کون سا انوکھا کام کیا ہے۔" ان کا لہجہ کافی روکھا ہو گیا تھا۔

"حاشر نے آپ کی خوشی کا خیال نہیں کیا۔" انابیہ نے ہمدردانہ انداز میں کہا تو مہر بیگم استہزائیہ ہنس پڑیں۔

"عباد اور عمار نے کیا میری خوشی کا خیال کیا تھا کہ اب حاشر سے میں امید رکھتی۔" انہوں نے در پردہ کیا جتایا تھا' انابیہ سمجھ کر قدرے پشیمان ہو گئی اور دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"آپ بھی "جتانے" کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیجیے گا۔"

"یہ تو ہمارے نصیب اچھے تھے کہ تم جیسی حسین اور فرماں بردار بہو مل گئی' ورنہ میری زندگی تو جلتے کلستے ہی گزرتی۔ عباد اس لحاظ سے تو عمار سے سمجھ دار نکلا۔ اب دیکھو حاشر کون سا گل کھلاتا ہے۔" اب وہ کافی سادگی سے انابیہ کو سراہ رہی تھیں۔ انابیہ کو ہنسی آ گئی۔ اپنی ساس کی حسن پرستی سے تو وہ بخوبی واقف تھی۔ انہیں ایک ہی شوق بلکہ جنون تھا کہ ان کی بہوویں بہت خوبصورت ہوں۔

عباد نے جب اپنی کلاس فیلو انابیہ کو شادی کے لیے پسند کیا تو مہر بیگم صرف اس کے حسن کو دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔ انابیہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے گھر بار اور تنگ سی گلیوں والے محلے کو دیکھ کر ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ مگر جب انابیہ سامنے آئی تو گویا سارے گلے شکوے ختم ہو کر رہ گئے۔ اور یوں انابیہ دلہن بن کر حسین ولا میں آ گئی۔

اس کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے۔ اریبہ اور کاظم نے ان کی فیملی کو مکمل کر دیا تھا۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے بہت مطمئن تھی کیونکہ چھ سال گزرنے کے بعد بھی عباد اس کا اول روز کی طرح ہی دیوانہ تھا۔ بلکہ بچوں کی آمد نے اس محبت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ انابیہ کی یہ خواہش تھی کہ اس کی چھوٹی بہن رافیہ بھی اسی گھر میں آ جائے۔ مگر اس کی یہ خواہش پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پہلے عمار اور اب حاشر بھی ہاتھوں سے نکل گیا تھا' جبکہ ولید تو شروع سے ہی زونیہ میں انٹرسٹڈ تھا۔ انابیہ اس معاملے میں مکمل طور پر مات کھا چکی تھی۔ کیونکہ چھوٹے دو دیور ابھی کافی چھوٹے تھے۔ علی فرسٹ ایئر اور زین میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا۔

وہ جلتی کلستی دوبارہ کچن میں آ گئی۔ رات تک اس کا موڈ کافی بگڑ چکا تھا۔ عباد بیوی کے خفا خفا انداز دیکھ کر کافی حیران ہوا تھا۔

"خاتون کے مزاج کچھ برہم نظر آتے ہیں۔" انابیہ لب بھینچے کپڑے سمیٹتی رہی۔ عباد نے مسکراہٹ دبا کر ٹی وی آن کرلیا۔

"میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

"جو کام کررہے ہیں وہ ہی خاموشی سے کریں۔" انابیہ نے تنگ کر کہا اور الماری کے پٹ زور سے بند کردیے۔

"کون سا کام۔" عباد کا انداز تپانے والا تھا۔ انابیہ نے مڑ کر اک گرم نگاہ اس پر ڈالی۔

"میک اپ زدہ چہروں میں لتھڑی حسیناؤں کو دیکھنے کا کام۔"

"یہ کام تو میں پوری دلجمعی سے کرتا ہوں۔"

"بس یہی کرتے رہیے گا۔ گھر میں پکتی کھچڑی کا کچھ پتا ہے کہ نہیں۔" انابیہ نے دانت پیس کر کہا تو عباد اسی لاپروائی سے بولا۔

"کھچڑی چونکہ مجھے پسند نہیں ہے' لہٰذا مجھے تو معاف ہی رکھو۔"

"عباد! آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔" انابیہ زچ ہو کر چلا اٹھی۔

"اتنی دور سے جو باتیں تم مجھ سے کرتی ہو۔ وہ کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" اس نے ٹی وی کا والیوم کم کرکے انابیہ کی طرف رخ کیا۔

"حاشر نے اپنے لیے ایک لڑکی پسند کرلی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میرے بھائی میرے ہی نقش قدم پر چلیں گے۔"

"آپ بس میرا دل جلانے والی باتیں کیا کریں۔"

"اور بھی اچھی اچھی باتیں آتی ہیں مجھے' آپ موقع تو دیں۔" وہ ابھی تک غیر سنجیدہ تھا۔ انابیہ غصے میں بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئی تھی اور عباد اسے آوازیں دیتا ہی رہ گیا۔

* * *

"ایمان! یہ کپڑے استری کرو۔" وہ اوپر والے پورشن کی صفائی کرکے نیچے آئی تو بھابھی نے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"جی اچھا۔" وہ تابعداری سے سر ہلا کر کپڑے پریس کرنے میں جت گئی تھی۔ تین گھنٹے بعد اگرچہ کپڑے تو پریس ہوکر اپنے ٹھکانوں تک پہنچ چکے تھے۔ مگر اس کی کمر بالکل اکڑ کر تختہ ہوچکی تھی۔

"اف ابھی تو کھانا بھی بنانا ہے۔" وہ ایک مرتبہ پھر ہمتیں اکٹھی کرکے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسی اثناء میں بھابھی تیار شیار ہوکر باہر نکلیں' بچے بھی ان کے ہمراہ تھے۔

"میں اور بچے زونیہ کی طرف جارہے ہیں۔ تمہارے بھائی بھی آفس سے وہیں پہنچ جائیں گے' رات کا کھانا کھا کر ہی واپسی ہوگی' تم آرام سے دروازے بند کرکے سو جانا۔" بھابھی اسے مختلف ہدایات دے کر سرعت سے باہر نکل گئی تھیں' جبکہ ایمان کے کندھوں سے اک بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ ان لوگوں کے جاتے ہی اس نے پہلے تو کمر سیدھی کرنے کے متعلق سوچا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی میٹھی نیند کے جھونکوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

نہ جانے کب تک وہ سوتی رہی تھی۔ فون کی بیل سے آنکھ کھلی۔ گرتی پڑتی وہ فون اسٹینڈ تک گئی۔ ریسیور اٹھایا تو بھابھی کی آواز کان میں پڑی۔ تھوڑی دیر بات کرکے اور خیر خیریت معلوم کرکے انہوں نے فون رکھ دیا تھا۔ ایمان نے بھی سستی و بے زاری سے ریسیور کریڈل پر پھینکا اور گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"ابھی پانچ بجے ہیں۔ یعنی کہ میں صرف دو گھنٹے ہی سوئی ہوں۔" واش روم میں گھس کر منہ ہاتھ دھویا' بال بنائے اور پھر کچن کی طرف آگئی۔ آملیٹ اور پراٹھا بنا کر اس نے اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی اور پھر لاؤنج میں آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کبھی کبھی کچھ بھی بنانے کو دل نہیں کرتا' مگر پھر بھی بنانا پڑتا ہے۔" وہ آزردگی سے سوچ رہی تھی۔

"کاش کبھی مجھے بھی کوئی اپنے ہاتھوں سے اس وقت کھانا بنا کر کھلائے' جب میرا کوئی بھی کام کرنے کو دل نہیں کررہا ہو۔ مگر اپنی اتنی اچھی قسمت کہاں۔"

ایمان استہزائیہ ہنسی تو آنکھ کا کونا نہ جانے کیوں بھیگ گیا۔ اس نے بے دلی سے پراٹھا کھایا اور چائے کے سپ لینے لگی۔ ابھی اپنی سوچوں میں گم تھی' جب ڈور بیل کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہ پیروں میں سلیپر اڑستی گیٹ تک گئی۔

"کون۔" ایمان نے جھری میں سے دیکھتے ہوئے قدرے بلند آواز میں کہا۔ باہر سے اس سے بھی بلند آواز آئی۔

"کون نہیں' آئس کریم۔"

"عمار۔" اس کے دل کے تار گنگنا اٹھے تھے۔ قدرے جھجکتے شرماتے اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔ عمار اک طائرانہ نگاہ ادھر ادھر ڈال کر بولا۔

"خاموشی کیوں ہے اتنی' آپا جان اور بچے کہاں ہیں۔"

"وہ سب زونیہ کی طرف گئے ہیں۔" وہ جو سرخ پتھروں کی روش پر اپنے دھیان میں چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ رہا تھا' یکدم ٹھٹک کر رک گیا۔

"کیوں؟"

"زونیہ نے شاید بلایا تھا۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلتے تفکر کے سائے دیکھ کر فکر مند ہوگئی تھی۔

"آپ پریشان لگ رہے ہیں۔"

"ہوں۔" عمار نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے۔" اسے وہیں جمے کھڑے کچھ سوچتے ہوئے دیکھ کر ایمان نے آہستگی سے کہا۔

"آیا تو میں آپا سے ملنے تھا مگر اب تم اکیلی مل گئی ہو تو۔" وہ قدرے سنبھل کر تمام سوچوں کو جھٹک کر شرارت بھرے لہجے میں بولا تو ایمان لبوں پر پھیلتی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے رخ موڑ گئی۔ عمار اندر جانے کی بجائے لان چیئرز کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ایمان بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آگئی۔

"یار! میں اتنا ڈراونا بھی نہیں کہ تم اک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کررہیں۔" اسے مسلسل اپنی انگلیوں پر نگاہیں جمائے دیکھ کر عمار نے شرارت سے کہا۔ نہ جانے کیوں اس کے گھبرائے گھبرائے چہرے کی طرف دیکھ کر بے ساختہ جی ستانے کو مچلنے لگا تھا۔

"نن' نہیں تو۔" اس کی گرم نگاہوں میں مچلتے جذبے' محبت لٹاتی جگر جگر کرتی سبز آنکھیں ایمان کو بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"کیا نہیں؟"

"آپ ڈراؤنے تو نہیں' بلکہ بہت خوبصورت ہیں۔" ہوا سے اڑتا آنچل سنبھالے وہ دھیمی آواز میں بولی تو عمار کے لبوں سے اک دلکش قہقہہ آزاد ہوا۔

"اتنے خوبصورت انداز میں میری تعریف پہلی مرتبہ کسی لڑکی نے کی ہے۔"

"میں "کوئی لڑکی" نہیں ایمان ہوں۔" اس کے انداز میں کافی ناراضی کا عنصر تھا۔

"تم ایمان نہیں میری جان ہو' میری پسند' میری محبوبہ محبت اور بیوی" اگر میں مزید یہاں بیٹھا رہا تو کوئی نہ کوئی گستاخی کر بیٹھوں گا' لہٰذا مجھے اجازت دو' چلتا ہوں اب۔" اس کا بے ساختہ اظہار محبت ایمان کے دل و روح کو مسرور کر گیا تھا۔ وہ گیٹ کی طرف بڑھا تو اچانک ایمان کو خیال آیا "اسی لیے تقریباً" دوڑتی ہوئی اس تک آئی۔

"آپ کو بھابھی سے کیا کام تھا؟" ایمان کے پوچھنے پر پہلے تو چند پل وہ سوچتا رہا' پھر کڑوے لہجے میں بولا۔

"آج میرا اور زونیہ کا یونیورسٹی میں جھگڑا ہوگیا تھا۔"

"کیوں؟" ایمان نے حیرت سے پوچھا۔

"ولید کا پرپوزل دیا تھا' زونیہ کے لیے" آپا نے اقرار کرلیا تھا۔ امی شاپنگ وغیرہ کرنے چل دیں' جبکہ وہ محترمہ ماش کی دال کی طرح اینٹھ گئی ہیں' نہ جانے کیا وجہ ہے۔"

"شاید بھابھی نے اپنے تئیں فیصلہ کرلیا ہو' زونیہ سے اس کی پسند پوچھے بغیر۔" ایمان چڑیوں کے غول کو ارد گرد چکراتے دیکھ کر آہستگی سے بولی۔

"یہ آپا کا ہیڈک تھا ہمارا نہیں' اب یہ "انکار"

کم از کم ہمیں تو کسی بھی طرح قبول نہیں ہے۔" عمار نے غصیلے انداز میں کہا۔

"زونیہ نے انکار کر دیا ہے۔" ایمان حیرت زدہ رہ گئی۔

"بھلا ولید بھائی میں کیا کمی ہے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور ساتھ ہی زونیہ کی عقل کو کوسا بھی۔

"اس کے انکار کی بھلا کیا اہمیت ہے۔" عمار نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"مگر اقرار یا انکار کا حق زونیہ کے پاس محفوظ ہے۔" ایمان حقیقت پسندی سے زونیہ کی فیور میں بولی تھی۔

"تم تو اس کی سائیڈ لوگی' آخر مستقبل میں اکٹھے جو رہنا ہے۔" وہ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر مسکرایا اور پھر اک الوداعی نگاہ ایمان پر ڈال کر بولا۔

"ولید راستے سے ہٹے گا تو ہماری باری آئے گی نا۔"

"میں سمجھ رہی تھی کہ آپ یہ سب اچھی نیت سے کر رہے ہیں۔" ایمان نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"تم ہمیشہ میری "نیت" پر شک کرتی ہو۔ میں تو ولید کی خاطر اس آگ میں کودنے کا پکا پروگرام بنائے بیٹھا ہوں۔ اب دیکھو زونیہ جیتتی ہے یا پھر ولید کی محبت اور میری کوششیں۔" اس نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائی اور بائیں ہاتھ سے ایمان کے گال کو نرمی سے چھو کر سرعت سے گیٹ عبور کر گیا' جبکہ ایمان نئے اور کچھ اور خوابوں کا جہان آنکھوں میں بسائے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

* * *

"تم پاگل ہو چکی ہو۔"

"ہاں میں واقعی پاگل ہو چکی ہوں۔ لہٰذا آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" زونیہ نے تنفر سے کہا۔

"بہت پچھتاؤ گی تم زونیہ!" حرا نے تھک ہار کر سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

کل رات سے مسلسل اس کے ساتھ دماغ کھپانے' ہزاروں دلیلوں اور نصیحتوں کے ساتھ سمجھانے کا کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ سوچ سوچ کر حرا کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔ اس کے تاریک مستقبل کا ناگ انہیں ڈستا تو وہ بے قرار ہو جاتیں۔ کون تھا جو اس کی فکر میں دبلا ہوتا یا پھر اپنے کام کاج اور گھریلو مصروفیات ترک کر کے اسے سمجھانے کے لیے یہاں ڈیرا لگا کر بیٹھ جاتا۔ رمیز سے کچھ کہنا سننا بے کار تھا۔ مگر پھر بھی ایک آخری کوشش کے طور پر انہوں نے رمیز سے رابطہ کیا' مگر شدید حیرت کا دھچکا انہیں تب لگا جب رمیز خان کی پوری بات سمجھ کر ایک ہفتے کے اندر اندر آنے کا پروگرام بنا کر انہیں تقریباً" دوبارہ سے زندہ کر دیا تھا۔

رمیز جب تک آ نہیں گیا تھا' انہیں اس کی بات کا یقین کرنا کافی مشکل لگ رہا تھا' مگر بھائی کو اتنے عرصے بعد دیکھ کر ان کی آنکھیں بہنے لگی تھیں اور تمام شکوے شکایات خود بخود مٹ گئے۔ وہ پچھلے دو دن سے میکے میں ہی مقیم تھیں اور زونیہ رمیز کو دیکھ کر گوشہ نشین ہو چکی تھی' کیونکہ بھائی کے سامنے اس کی بھی بولتی بند ہو جاتی تھی۔

رمیز نے فی الحال اس "ذکر" کو نہیں چھیڑا تھا۔ اس مسئلے پر وہ زونیہ سے اسی وقت بات کرنا چاہتا تھا' جب اسے یقین ہو جاتا کہ تمام دلائل مضبوط ہیں۔ اور زونیہ کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں بچ سکتا۔

"تم یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہیں۔" اگلے دن زونیہ کو ناشتے کی میز پر رمیز کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ تو اس وقت کمرے سے نکل کر پچھتائی تھی۔

"میں فارسی میں تو بات نہیں کر رہا۔" اسے خاموش بلکہ گم صم دیکھ کر رمیز نے جوس کا گلاس زونیہ کی طرف بڑھا کر کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ بجھی آواز میں بولی تھی۔

"مجھے تو بالکل صحت مند بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تندرستی دکھائی دے رہی ہو۔" اس کے سرخ گالوں میں چھلکتی گلابیاں مکمل صحت مند ہونے کا اعلان کر رہی تھیں۔ زونیہ نچلا لب چباتے ہوئے قدرے بوکھلائی۔

"سر میں درد ہے۔" تھوڑی دیر سوچ و بچار کے بعد اسے یونیورسٹی نہ جانے کا جواز مل ہی گیا تھا۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران حرا ڈائننگ روم تک نہیں آئی تھیں' بلکہ ڈائننگ سے ملحقہ کچن کے دروازے میں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ رمیز کا اشارہ پا کر وہ گلا کھنکارتی اندر داخل ہوئیں۔

"آپا! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔" رمیز کی اس تمہید نے جہاں حرا کو متوجہ کیا' وہیں زونیہ بھی چونک اٹھی۔ رمیز انہیں اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے سر جھکائے اپنی اپنی سوچوں میں گم رمیز کے مقابل آ کر بیٹھ گئیں۔

"آپا! دراصل میں جو بات آپ سے کرنے جا رہا ہوں ذرا تحمل سے سنیے گا۔ پہلے تو میں اپنے گزشتہ رویے کی آپ دونوں سے معافی مانگتا ہوں۔ پاپا کے بعد میں اپنا بھائیوں والا کردار نہیں نبھا سکا۔ مجھے اپنے غلط رویے کا بھی پوری طرح ادراک ہے۔ مگر آپ میری مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ اپنی مشکلات اور پریشانیوں کی داستان سنا کر میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

میرے لیے پہلا مسئلہ زونیہ کی شادی ہے' جبکہ دوسرا مسئلہ میرے گرتے کاروبار کی ساکھ بحال کرنا ہے۔ یہ بات میں بعد میں کروں گا' پہلے زونیہ کی شادی کا معاملہ ڈسکس کر لیا جائے۔ آپ نے مجھے جو تین پرپوزل بتائے ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھا اور ہر لحاظ سے بہترین پرپوزل ولید کا ہے۔ وہ ہمارا خالہ زاد ہے' امی کے بعد خالہ نے ہمیں بہت پیار دیا' ہمارا بہت خیال رکھا اور آپ کی شادی تو کی ہی خالہ نے تھی۔ خالہ کے ہم پر احسانات بھی بے شمار ہیں۔ میں زونیہ کے سامنے ہر بات کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ ولید کے علاوہ جو دو پرپوزل ہیں ان کی تفصیل بھی کچھ یوں ہے کہ ایک تو کوئی پروفیسر صاحب ہیں' عمر تیس سال اور اپنا گھر بھی نہیں ہے۔ دوسرا پرپوزل ایک ڈاکٹر کا ہے۔ فریش ایم بی بی ایس' خوش قسمتی سے ایک پرائیویٹ اسپتال میں جاب کر رہا ہے۔ اپنا گھر اور گاڑی بھی ہے۔ کچھ زمینیں بھی ہیں' باقی تفصیلات معلوم کر لی جائیں گی۔" رمیز مزید کہتے کہتے اک لمحے کے لیے رکا اور پھر زونیہ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"اگر تو ولید کے علاوہ ان دونوں میں سے تم کسی ایک کے لیے ہامی بھرتی ہو تو مجھے' آپا یا پھر کسی تیسرے کو کوئی اعتراض نہیں۔ میں بخوشی تمہارا رشتہ طے کروں گا۔"

"مجھے ان "تینوں" سے کوئی دلچسپی نہیں۔" زونیہ نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی اور پھر نگاہیں کارپٹ پر جما دیں۔

"وجہ۔" حرا اور رمیز دونوں کے موڈ بگڑ گئے تھے۔

"آپا جانتی ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"اس خیال کو ذہن سے جھٹک دو۔" رمیز نے بمشکل غصے پر قابو پا کر کہا۔

"آپ روا بھابھی کا خیال ذہن سے جھٹک دیں۔ بلکہ یوں کریں کہ انہیں سرے سے چھوڑ دیں' کیا آپ ایسا کر سکیں گے؟" اس کی آنکھوں میں سرخیاں سی چھا گئی تھیں' جبکہ رمیز کا بھی مارے اشتعال کے چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بہت بکواس کرنے لگی ہو۔ اب تو تمہارا کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" رمیز نے کرختگی سے کہا۔

"آپ نے جو کرنا ہے کر لیں۔"

"زونیہ! کچھ شرم کرو' بڑے بھائی سے بات کر رہی ہو۔" حرا نے اس کا ہاتھ دبا کر احساس دلانے کی ناکام سی کوشش کی۔

"اونہہ بھائی۔" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"کس بل بوتے پر اتنا اکڑ رہی ہو۔" رمیز نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آج اگر بھولے بھٹکے سے کوئی رشتہ آ رہا ہے تو اپنی نادانی میں آرام سے انکار کرتی جاؤ۔ کل کوئی پوچھے گا بھی نہیں' کیونکہ پاپا کے دوست کے بیٹے قاسم نے پاپا

کے مرنے کے بعد جو تمہیں طلاق کے پیپرز بھجوا دیے تھے۔ اس حقیقت کو جاننے کے بعد ویسے بھی کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا' اگرچہ یہ ایک غلط فیصلہ تھا اور اس بچپن کے نکاح کی اہمیت بھی کوئی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی ہمارے دلوں اور ذہنوں نے اس نکاح کو قبول کیا مگر پھر بھی دنیا کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"وہ پاپا کا ایک غلط فیصلہ تھا۔ اس میں میرا رتی برابر بھی کوئی قصور نہیں' نہ میں اسے جانتی تھی نہ اس نے مجھے کبھی دیکھا۔ یہ غلط فیصلہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔"

"اب تم ایک اور غلط فیصلہ کرنا چاہتی ہو۔" حرا نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"یہ غصہ' یہ اکڑ اور یہ تمہاری ضدیں' تمہیں اندھی کھائی میں گرا دیں گی۔" رمیز مٹھیاں بھینچ کر بولا تھا۔ اور پھر کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بہت عجیب سے لہجے میں کہنے لگا۔

"تم جانتی ہو یہ گھر کس کے نام ہے۔" اس کی دھیمی آواز میں نہ جانے کون سا راز پوشیدہ تھا کہ دونوں بہنیں چونک سی گئیں۔

"نہیں۔"

"یہ گھر پاپا میرے نام کر چکے تھے' یہ ان کی وفات سے چند ماہ پہلے کی بات ہے۔ اس گھر میں تم دونوں کا کوئی حصہ نہیں' سو میں اس گھر کو بیچنے والا ہوں۔"

"کیا مطلب۔" اس خوبصورت بنگلے کی پوری عمارت گویا ان دونوں پر آگری تھی۔ وہ حق دق سی رمیز کے پتھریلے تاثرات والے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"مطلب بہت واضح اور شفاف ہے۔ میرا آئس کریم بار بالکل دیوالیہ ہونے والا ہے۔ پچھلی مرتبہ کچھ انگریزوں اور حبشیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ انہوں نے اتنی توڑ پھوڑ کی کہ سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ اپنے گرتے کاروبار کو بحال کرنے کے لیے اس گھر کو بیچنا میری مجبوری ہے۔" حرا کے دماغ سے گویا گرم دھوئیں کی لپٹیں نکلنے لگی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے دھندی چھا رہی تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں رمیز کا چہرہ دیکھے جا رہی تھیں۔ کچھ اسی قسم کی کیفیت زونیہ کی بھی تھی' جبکہ رمیز اپنی ہی دھن میں نہایت سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

"جب یہ گھر ہی نہ رہا تو تم کہاں جاؤ گی۔ تایا کی طرف جانا تمہیں گوارا نہیں ہو گا اور کسی ویمن ہاسٹل میں نہ تایا تمہیں رہنے دیں گے' نہ مجھے یہ بات منظور ہے۔ تو اس کا سب سے بہترین حل یہ ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ خوب اچھی طرح سوچ لو ولید یا پھر کوئی اور' شادی تو بہرحال میں تمہاری کر کے ہی جاؤں گا۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں' اگر پھر بھی تم اپنی ضد پر قائم ہو تو پھر میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔ میں اگلے ہفتے واپس چلا جاؤں گا۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہہ کر بہنوں کی طرف دیکھا۔ حرا کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ جبکہ زونیہ منہ پر ہاتھ رکھے آنسو روکتی لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گئی۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے۔" اگلی صبح حرا نے زونیہ کے ستے چہرے کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

"رمیز نے کچھ سوچنے کے قابل چھوڑا کہاں ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ رمیز ہمارے ساتھ اس طرح کرے گا۔ ہمارے سروں سے سائبان تک چھین لے گا۔" زونیہ نے بھرائی آواز میں کہا تھا۔ اس تین کنال کی کوٹھی پر کتنا مان تھا اسے۔

"رمیز شروع سے ہی ایسا ہے خود غرض' مطلبی اور بے غیرت۔" رمیز کی باتوں نے حرا کا بھی کلیجہ چھلنی کر دیا تھا۔ انہوں نے باآواز بلند رمیز کو تین' چار گالیوں سے نوازا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔" اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے انہوں نے تھکی آواز میں زونیہ سے کہا۔

"میں اپنے فیصلے سے آپ کو آگاہ کر چکی ہوں۔"

"زونیہ تم۔" حرا آگ بگولا ہو گئی تھیں۔ غصے کے مارے ان کی بھنویں [illegible] تن گئیں۔

"کیا کمی ہے ولید [illegible] میں۔ اتنا خوبصورت' پڑھا لکھا شاندار جاب۔ اور [illegible] سب سے بڑھ کر اپنی خالہ کا گھر' آمنہ اور خالہ جان [illegible] فدا ہیں تم پر۔ اتنی قدر دان سسرال ملے گی تمہیں [illegible] اللہ اور کیا چاہیے۔" وہ ایک مرتبہ پھر پرانی دلیلوں سے [illegible] سمجھانے لگی تھیں۔

"ولید میں کوئی [illegible] نہیں' کمی تو مجھ میں ہے۔ میں اسے خوش نہیں رکھ [illegible] پاؤں گی۔ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ ولید اتنا [illegible] ہے' اسے کوئی اچھا چاہنے والا لائف پارٹنر ملنا چاہیے [illegible] مگر میں۔"

"مگر کیا؟ ساری [illegible] زندگی حاشر کی محبت سینے سے لگائے بیٹھی رہنا ہے [illegible] نہ وہ تم سے شادی کرے گا نہ تمہیں تمہاری محبت [illegible] سکے گی۔" حرا نے تنفر سے کہا۔

"وہ مجھ سے شادی [illegible] کرے گا۔" زونیہ نے مضبوط لہجے میں کہا اور [illegible] سے مسکرائی۔

"کون سی خوش [illegible] ہے تمہاری' کیونکہ حاشر نے اٹلی میں اپنے [illegible] کی بہن کو پسند کر رکھا ہے۔ یقیناً شادی بھی اسی [illegible] کرے گا' نہ اس نے پاکستان آنا ہے نہ کبھی [illegible]۔ تم اور خالہ بس آس لگائے بیٹھی رہو۔" زونیہ [illegible] لبوں کی مسکان پل بھر میں ہی سمٹ گئی تھی۔ اس [illegible] چند منٹوں میں ہی سفید لٹھے کی مانند ہو گیا تھا۔ حرا [illegible] پہنچ گیا۔ وہ اسی لیے زونیہ کو اس تلخ سچائی کے متعلق [illegible] نہیں بتانا چاہتی تھیں۔

"آپا۔" وہ ایک [illegible] بھینچتے ہوئے تڑپ تڑپ کر رونے لگی تھی۔ حرا [illegible] سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا تھا۔

* * *

"یونیورسٹی کے [illegible] وسٹ میں بیٹھ کر مراقبہ کرنے کا تمہیں کس نے مشورہ دیا ہے۔" نوکیلی گھاس کو نوچتی اپنے ہی دھیان میں [illegible] زونیہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اپنے سے دو قدم [illegible] فاصلے پر کھڑے عمار کو دیکھ کر دوبارہ سر جھکا لیا۔

"کیا تکلیف ہے' اتنی رونی صورت کیوں بنا رکھی ہے۔ اگر تم ولید سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو ٹھیک ہے۔ میں ولید کو سمجھاؤں گا۔ ویسے رات بھر تم دونوں کے متعلق ہی سوچتا رہا ہوں میں' تم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک لگے مجھے' ایسے معاملوں میں زور زبردستی نہیں ہوتی' چلو اب مسکرا دو' اور مجھے کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ زیادہ سوچنے کی وجہ سے پیٹ خالی ہو گیا ہے۔" عمار نے پہلی سی بے تکلفی کے ساتھ نرمی سے کہا تو زونیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں اور سر مزید جھک گیا۔

"زونی۔" عمار نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اپنی طرف متوجہ کیا اور بولا۔

"کیا سوچ رہی ہو' اب تو تمہیں خوش ہونا چاہیے۔"

"سوچ رہی ہوں ہر کوئی محبتوں کے معاملے میں تم سا خوش قسمت نہیں ہوتا۔ اگر میں اپنے اردگرد نگاہ دوڑاؤں تو تقریباً سب ہی بڑے خوش نصیب نظر آتے ہیں مجھے' عباد بھائی اور اتابیہ بھابھی' آپا اور عمیر بھائی' ردا بھابھی اور رمیز بھائی۔ تم اور ایمان جبکہ میں۔"

"زونیہ! کیا تم کسی کو۔" عمار نے الجھ کر زونیہ کی طرف دیکھا تو وہ بے دلی سے مسکرا دی۔

"ارے نہیں بس یونہی ایک بات کی ہے۔"

"تو پھر اتنا پریشان کیوں ہو؟" عمار سنجیدگی سے بولا۔

"بس ایسے ہی۔" زونیہ منہ سے نکلنے والے الفاظ سوچتے ہوئے اب پچھتا رہی تھی کہ کیوں عمار کے سامنے انجانے میں دل کے زخم کھول دیے ہیں۔

"ٹالنے کی کوشش مت کرو۔" مقابل بھی تو عمار تھا' بال کی کھال کھینچنے والا۔

"اف عمار! تم بھی نا۔" زونیہ نے زبردستی مسکرا کر لاپروائی کا مظاہرہ کرنا چاہا۔

"اب بول بھی چکو کہ اصل بات کیا ہے۔ تمہارے انکار کی 'وجہ' کیا ہے۔ مجھے بتاؤ زونیہ' ہم اچھے دوست بھی تو ہیں۔" عمار نے نرم آواز میں کہہ کر اس کا ہاتھ

نرمی سے دبایا تو وہ جھنجلا سی گئی۔

"کوئی بات نہیں اور نہ ہی کوئی وجہ ہے۔ تمہیں تو وکیل ہونا چاہیے تھا۔ اتنی جرح کرتے ہو۔"

"تمہاری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہیں۔ کیا رات بھر روتی رہی ہو؟" عمار نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نگاہیں چرا گئی۔

"شاید الرجی ہو گئی ہے۔" زونیہ نے دونوں آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر کہا۔

"تم بتانا نہیں چاہتیں تو نہ سہی میں اب اصرار نہیں کروں گا۔" عمار نے خفگی سے کہہ کر رخ بدل لیا تھا۔

"دراصل رمیز بھائی کی وجہ سے پریشان ہوں۔" کافی دیر سوچنے کے بعد اسے "وجہ" یاد آگئی تھی۔ لہٰذا وہ مزید دلسوزی سے بولی تھی' تاکہ عمار کو ذرہ برابر بھی شک نہ گزرے۔ اور پھر اس نے رمیز بھائی کی خود غرضی کی پوری داستان سنا ڈالی تھی۔ عمار تاسف سے سر ہلاتا رہا۔

"رمیز بھائی نے تو حد کر دی ہے۔"

"یہی نہیں' وہ گھر کا قیمتی فرنیچر بیچنے کا بھی پورا پورا انتظام کر چکے ہیں۔" زونیہ نے گھاس کے تنکے اکٹھے کیے اور پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"زونیہ! تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا؟ رمیز بھائی کے جانے کے بعد' مطلب گھر بھی جبکہ نہیں رہے گا تو پھر۔"

"تو پھر کیا' ولید کا گھر ہے نا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی' تیزی سے آگے بڑھ گئی' جبکہ عمار تحیر کے عالم میں اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

"زونیہ ابھی کیا کہہ کر گئی ہے۔" اس نے حیرانی سے سوچا اور پھر جب بات سمجھ میں آئی تو لبوں سے اک کھنک دار قہقہہ آزاد ہوا۔ اس کی کلاس کے لڑکوں نے کافی حیرانی سے عمار کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جھینپ کر پلٹا اور پھر "زونیہ زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے ولید کے آفس کی طرف بھاگا۔

* * *

"اف کوئی ان بازاروں میں بھول کے بھی نہ جائے۔ ہائے میری تو ٹانگیں شل ہو گئی ہیں' پروین! پانی تو پلا دے۔ حلق میں گویا کانٹے اگ آئے ہیں۔" مہر بیگم نے بھاری بھرکم شاپرز صوفے پر رکھے اور خود تخت پر ڈھے گئیں۔

"آمنہ سے کہا بھی تھا کہ آجاؤ اب بھلا مجھ سے بازاروں کے چکر لگتے ہیں۔" پروین کے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے انہوں نے سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔

"بچے اسکول سے ابھی تک نہیں آئے۔" اتابیہ نے پیروں کو سینڈلوں کی قید سے آزاد کیا اور گھر میں پھیلا سناٹا محسوس کر کے پروین سے پوچھا تو وہ اپنے تربوز جتنے سر کو ہلا کر بولی۔

"زین "باجی" کے کمرے میں کارٹون دیکھ رہے ہیں۔" باجی جو کہ اریبہ کو گود میں اچھالتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہے تھے' پروین کے طرز تخاطب پر بھنا اٹھے۔

"موٹی بھینس کتنی مرتبہ میں نے تمہیں سمجھایا ہے کہ مجھے "باجی" مت کہا کرو' مگر تمہاری موٹی عقل میں یہ بات آتی ہی نہیں۔ جب عمر صاحب اور عمار صاحب ہو سکتے ہیں تو پھر میں کیوں نہیں۔ کیا میرے لیے "صاحب" کا صیغہ لگاتے ہوئے تمہاری زبان گھس جاتی ہے۔" زین نے اریبہ کو صوفے پر پٹخا اور پروین کو خطرناک نظروں سے گھورا۔

"تو جی' اتنے ادب سے تو بلاتی ہوں۔ "باجی" کہہ کر۔" پروین نے ناراضی سے کہا تھا۔

"اسے عزت راس نہیں' کیوں پروین۔" اندر آتے عمار نے مسکراہٹ دباتے ہوئے زین کو چھیڑا۔

"خبردار جو تم نے آئندہ مجھے باجی کہا۔" زین نے غصے سے کہا۔

"تو پھر کیا کہوں جی۔" پروین نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"زین صاحب کہا کرو۔" زین نے ٹانگ رکھ کے رعب دار آواز میں کہا تو عمار کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"یہ منہ اور مسور کی دال۔ یار! پہلے "صاحب" بنو اور پھر صاحب کہلوانا۔"

"تو کیا "صاحبوں" کے سینگ ہوتے ہیں۔" زین نے تنک کر کہا۔

"نہ جی' صاحب لوگ تو ٹائی لگاتے ہیں' لش لش کرتے جوتے اور نئے نکور استری شدہ کپڑے پہن کر ہاتھ میں بریف کیس پکڑے دفتر جاتے ہیں' جبکہ آپ تو۔" پروین نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ڈھنگی ہنسی کا گلا گھونٹا تو عمار بھی زین کو تپانے کی غرض سے بولا۔

"ہاں بھئی پروین ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پرانی بوسیدہ جینز پہنے بھٹکے ہوئے جوکروں سے تم "صاحب" تو ہرگز نہیں لگتے۔ اب بھلا پروین کا کیا قصور' ایسی شاندار ڈریسنگ والے کو باجی ہی تو کہا جائے گا۔"

"عمار! تم اپنا منہ بند کرو۔" زین نے ناگواری سے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔

"تو اب تم ہمارے منہ بھی بند کراؤ گے۔" عمار نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں تو اریبہ اور کاظم بھی کھلکھلانے لگے۔

"یہ کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے' آؤ زین میں تمہیں اپنی شاندار شاپنگ دکھاؤں۔" اتابیہ نے زین کا بازو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ بھی دلچسپی سے ولید کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی شاپنگ کو دیکھنے لگا تھا۔ عمار نے بدمزا سا ہو کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔

"یہ لہنگا دیکھو' کس قدر خوبصورت ہے' زونیہ پر یہ کلر بہت سوٹ کرے گا۔" اتابیہ نے لہنگے کا دوپٹہ پھیلا کر زین کی آنکھوں کے سامنے کیا تو پروین بھی سب کام کاج چھوڑ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"یہ اریبہ اور کاظم کے کپڑے ہیں' یہ کاظم کی شیروانی' بارات والے دن پہنے گا۔ ولید کی شیروانی کا بھی یہی کلر ہے' اور یہ آمنہ آپی کے کپڑے اور یہ ان کے بچوں کے' اس شاپر میں امی اور بابا کے کپڑے ہیں' کچھ کپڑے ٹیلر کو دے آئے ہیں اور۔" اتابیہ بھابھی مزید تفصیلات بھی بتا رہی تھیں۔ عمار نے قدرے چونک کر اس پورے پھیلاوے کو دیکھا۔ نہایت نفیس' قیمتی اور خوبصورت کپڑے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے' مگر ان میں ایمان کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ عمار کو بہت عجیب لگا۔ وہ امی اور بھابھی سے پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور پھر خود جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گیا۔ فون ایمان نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"کیسے یاد کیا ہے؟" ایمان نے مسکراتے ہوئے عمار کو چھیڑا۔

"تمہاری آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"صاحب! عشق جھاڑنے کے لیے بڑا وقت پڑا ہے۔ ابھی فی الحال اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔" ایمان اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو عمار نے اک گہری سانس خارج کر کے کہا۔

"کل کا بھلا کیا پتا' آئے یا نہ آئے۔ اپنے آج کو تو خوبصورت بنا لینے دو۔ پتا ہے ایمان! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے پاس اپنی اتنی یادیں چھوڑ دوں کہ تم کبھی ان یادوں کے حصار سے نکل ہی نہ سکو' میں چاہتا ہوں کہ۔"

"پلیز عمار! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی نے ایمان کو خوفزدہ کر دیا تھا۔

"ارے تم تو پریشان ہو گئیں' میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔" عمار نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"جان نکال کر رکھ دی میری آپ نے' کم از کم میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔" وہ ناراضی بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"تو پھر کیسی باتیں کریں' اگر اپنے مطلب کی باتیں شروع کر دیں تو آپ یقیناً فون بند کر دیں گی' جو کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ فون رکھیں' کیونکہ میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں۔" عمار نے بے چارگی کے عالم میں کہا تھا۔

"اچھا' یہ بتائیں کہ شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں۔" ایمان نے گفتگو کا رخ بدلا تو عمار نے مختصر سی تفصیل بتا دی۔

"مینگے کا کلر کیسا ہے؟" اس کے لہجے میں فطری سا اشتیاق تھا۔ عمار دھیرے سے مسکرا دیا اور پھر اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کون سا کلر پسند ہے۔"

"ریڈ۔"

"اچھا" تو تمہارا لہنگا ریڈ ہونا چاہیے۔" عمار نے پرسوچ انداز میں کہا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔

"میں اپنی بات تھوڑی کر رہی ہوں۔ میں تو زونیہ کے لہنگے۔۔۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم صرف اپنی باتیں ہی کرو۔" عمار نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا تو وہ اک پل کے لیے خاموش ہو گئی۔

"عمار! مجھے اتنا مت چاہو۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"ہیلو! کیا ہوا نیند تو نہیں آرہی۔"

"نہیں تو" نیند بھلا اب کہاں آئے گی۔" باقی کے الفاظ اس نے منہ ہی منہ میں بدبدائے تھے مگر پھر بھی عمار نے سن لیا۔

"کبھی کبھی دل خوش کر دیتی ہو۔"

"رات کافی ہو گئی ہے اب سو جانا چاہیے۔" ایمان نے بیتتی رات کا احساس دلایا تو وہ بھی چونکا۔

"ایمی! کل تیار رہنا میں پانچ بجے تمہیں لینے کے لیے آؤں گا۔"

"کہاں جانا ہے؟" ایمان نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ میں تمہیں کل ہی بتاؤں گا۔" عمار نے تجسس پھیلانا چاہا۔

"پلیز عمار! بتا دیں نا۔" ایمان نے بے تابی سے کہا۔

"تمہیں شاپنگ کروانی ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے ناسمجھی کے عالم میں ریسیور کو گھورا۔

"بھئی میں اپنی اتنی اچھی اور بہت ہی پیاری سی منکوحہ کو نکاح کے بعد کوئی اچھا سا تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں عمار۔" ایمان نے قدرے سختی سے کہا تھا۔

"کیوں ضرورت نہیں؟"

"بس میں نے کہہ دیا نا۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

"تم تایا جان کی وجہ سے کہہ رہی ہو۔" عمار چند منٹوں میں ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

"نن نہیں تو۔" ایمان گھبرا گئی تھی۔

"تایا جان سے نبٹنا میرا کام ہے۔ تم بس تیار رہنا۔"

مزید دو چار باتیں کرنے کے بعد عمار نے فون بند کیا تو وہ بھی گہری سانس خارج کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

* * *

دوسرے دن وہ اپنے وعدے کے مطابق آگیا تھا اور حرا بھابھی سے نہ جانے کیا کہہ کر اجازت لی تھی۔ انہوں نے بغیر ماتھے پر بل ڈالے اسے عمار کے ساتھ بھیج دیا۔

تین گھنٹے بعد جب وہ گھر آئی تو لاؤنج میں ہی بھابھی سے سامنا ہو گیا۔ اس نے شاپنگ بیگ صوفے پر رکھے اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"عمار اندر نہیں آیا؟" بھابھی نے کافی خوشدلی سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔ انہیں کوئی ضروری کام یاد آگیا تھا' اس لیے چلے گئے ہیں۔" ایمان نے آہستگی سے بتایا تو بھابھی نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"کیا خریدا ہے' مجھے بھی تو دکھاؤ۔"

"بہت خوبصورت' عمار کی چوائس بہت اچھی ہے۔" شاپنگ بیگز میں سے نکلنے والے خوبصورت ڈریسز کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے عمار کی پسند کو سراہا تھا۔

"ولید کی شادی میں یہی کپڑے پہن لینا۔"

"ہوں۔۔۔ سوچوں گی۔"

"اس میں سوچنے کی بھلا کیا بات ہے۔" بھابھی تو

"فقط" پکڑنے کے فن سے بہت آشنا تھیں۔ ایمان نے خود کو ڈپٹا اور بولی۔

"پہن لوں گی۔"

"ہاں' ضرور پہننا' عمار خوش ہو جائے گا۔" بھابھی مسکرائیں۔

"آپ کو عمار کی خوشی کا بڑا خیال ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولی تھی۔ اسے کچھ عرصہ پہلے والا بھابھی کا رویہ یاد آیا تو نہ جانے کیوں پلکیں بھیگ سی گئیں۔

"خالہ جان نے چھ مارچ تاریخ طے کر دی ہے۔ جہیز وغیرہ کا تو ولید نے منع کر دیا ہے' مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔" بھابھی نہایت فرصت سے تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھیں۔ ایمان خاموشی سے سنتی رہی۔

"دن اتنے کم ہیں اور کام بے حساب' ایسا ہے کہ ایمان کل سے ہم دونوں زونیہ کی طرف چلے جائیں گے' تم ذرا پیکنگ وغیرہ کر دینا اور کچن بھی دیکھ لینا۔ اصل میں سارا دن اتنا مصروف گزرتا ہے کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی اوپر سے [illegible] کے نخرے بھلا جاؤ وہاں کینیڈا میں [illegible] اسے پکا پکایا کھانا ملتا ہے یہاں آکر اسے گھر کا بنا ہوا کھانا چاہیے۔" وہ فوراً" ہی اپنے مطلب کی بات پر آگئی تھیں۔ ایمان نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

اگلے دن وہ بھابھی کے ساتھ زونیہ کی طرف آگئی تھی۔ تقریباً" روزانہ ہی ولید' مہر آنٹی اور عمار کا چکر لگتا تھا۔

بری کی خریداری میں زونیہ کی پسند کا پورا پورا خیال رکھا جا رہا تھا۔ بھابھی بہت خوش اور سرشار تھیں البتہ زونیہ کے تاثرات سپاٹ ہی ہوتے تھے۔ ایمان نے اسے ہمیشہ سوگوار کیفیت میں ہی دیکھا تھا۔

مہندی کا فنکشن کمبائن تھا۔ گھر کے لان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ مہندی کی مناسبت سے ہی اسٹیج بھی تیار کیا گیا۔ ہر طرف پیلے اور سبز آنچل لہرا رہے تھے۔

وہ جب تیار ہو کر نیچے آئی تو زونیہ بھی پارلر سے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنف	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	200/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	450/-
پھولاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	200/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
خواب دریچے	سعدیہ امل کاشف	150/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	450/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	400/-
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	180/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	200/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	300/-
برگ گل	ایم سلطانہ فخر	400/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	350/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

ابھی ہی۔ ایمان تو اس کے بے تحاشا [illegible] کو دیکھ کر سراہے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کی خاموشی کو سب نے شرم پر محمول کیا تھا۔

شور، ہنگامہ، قہقہے ہر کوئی سرشار سا ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ لڑکیوں نے ڈھولک پر گیت گنگنانے شروع کر دیے تھے اور لڑکوں نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ علی اور زین ولید کو بھی گھسیٹ لائے تھے۔

سجاد حسین، عمار کے والد نے ہی رات گئے ان سب کو گھر چلنے پر مجبور کیا تھا، ورنہ یہ لوگ تو ادھر ہی رات گزارنے کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے۔

بارات کا انتظام میرج ہال میں تھا۔ سات بجے تک سارے مہمان ہال میں پہنچ گئے تھے۔ بھابھی کے حکم پر ایمان، زونیہ کے ساتھ پارلر چلی گئی تھی۔

جب سجی سجائی زونیہ کو تھام کر وہ باہر آئی تو عمار کو اپنا منتظر پایا۔ وہ انہیں لینے کے لیے آیا تھا۔

"ایمی یار! کہیں کسی اور کو تو نہیں اٹھا لائی ہو، یہ زونیہ تو نہیں لگ رہی۔" عمار نے مصنوعی پریشانی کے عالم میں ایمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ نظر کا چشمہ لگا کر دیکھیں یہ زونیہ ہی ہے۔" ایمان مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"زونی! تم بالکل "بھوتنی" لگ رہی ہو۔" عمار نے جان بوجھ کر زونیہ کو چڑایا تھا مگر خلاف توقع وہ خاموش تھی۔

"آج ہو گئی نا تمہاری بھی بولتی بند۔" وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی، بلکہ اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ عمار نے یہی سمجھا کہ وہ شرما رہی ہے مگر ایسا قطعاً نہیں تھا۔ وہ تو فقط اپنے سرکش آنسو چھپانے کی غرض سے عمار کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"ویسے ایمی! تم نے بھی لیپا پوتی کروا لی تھی۔" عمار نے ایمان کے میک اپ سے مبرا چہرے کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ خفگی سے بولی۔

"ہاں پھر آپ مجھے بھی "بھوتنی" کہتے۔"

"تم تو اچھی بھلی سمجھ دار بھی ہو گئی ہو۔" عمار اس کے برجستہ جواب سے کافی محظوظ ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی اسے توصیفی نگاہوں سے سراہا۔ اس کی اسی سادگی اور

جو دلہن کے [illegible] عمار [illegible] تھا۔

ہال ہر طرح کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ خواتین، بچے، منچلی لڑکیاں، لڑکے۔ دلہن کی آمد کا سن کر سب ہی اپنی اپنی مصروفیات ترک کر کے دلہن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ لڑکیوں نے گلاب اور موتیے کی پتیاں پھینک کر دلہن کا استقبال کیا۔

اگر زونیہ بہت حسین تھی تو ولید بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ اس کی معصومیت بھری شرافت نے اک انوکھا روپ بخش دیا تھا اسے، اور ولید کی اسی کم گوئی اور شرافت سے زونیہ کو شدید چڑ تھی۔ وہ اپنی تمام تر وجاہت کے باوجود زونیہ کا آئیڈیل نہیں تھا۔ وہ تو مجبور ہو گئی تھی ولید کی بیوی بننے پر کیونکہ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ اس بند گلی سے نکلنے کا واحد حل یہی تھا۔ اس نے حرا آپا کی بات مان لی۔ اس نے ولید کے ساتھ بندھن باندھ لیا۔

اس نے نکاح نامے پر دستخط کر دیے تھے۔ اس نے رمیز کے کندھوں سے بھاری بوجھ سرکا دیا تھا۔ اس نے آپا پر احسان عظیم کر دیا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی خالہ امی بھی بہت خوش ہیں۔ زونیہ نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں بیٹھا ولید بھی بہت سرشار ہے۔ مگر خود زونیہ خوش نہیں تھی۔ وہ خوش ہوتی بھی کیسے، اس کے دل میں تو حاشر کی تصویر سجی تھی۔ پھر اچانک رخصتی کا شور اٹھا۔ اسی شور میں اس نے کسی بڑی بی کی دبی دبی سرگوشی سنی تھی۔

"ارے حاشر نہیں آیا بھائی کی شادی میں۔"

"نہیں۔"

"بھلا کیوں؟" بڑی بی نے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"مصروف ہے شاید اسی لیے نہیں آیا۔"

"اونہہ، ایسی بھی کیا مصروفیت۔" زونیہ نے تنفر سے سوچا۔ اسی پل حرا آپا نے زبردستی اسے خود سے لپٹایا تھا۔ رمیز بھائی نے اسے تھام کر گاڑی میں بٹھایا۔ اس نے اپنے دل میں شدید نفرت کی لہر اٹھتی محسوس کی تھی۔

* *

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

مکمل ناول

نایاب جیلانی

تمہیں دل نے پکارا ہے

2

دوسرا اور آخری حصہ

دلہن کا استقبال بہت شاندار کیا گیا تھا۔ اسے لاؤنج میں صوفے پر بٹھانے کے بعد کھیر چٹائی کی رسم کی گئی اور اس کے علاوہ نہ جانے اور کیا کیا رسومات ہوئیں۔ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی نہ سن رہی تھی اور نہ ہی محسوس کر رہی تھی۔ اتنے شور، ہنگامے اور قہقہوں کی آوازوں کے باوجود اسے اپنے اردگرد سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ دل کو دیمک کی طرح چاٹ لینے والا سناٹا۔

وہ جسمانی طور پر موجود تھی اس ماحول کا حصہ تھی مگر اس کا ذہن تین سال پہلے اسی آنگن میں اترنے والی سہانی شام کے اردگرد چکرا رہا تھا۔

"حاشر آیا ہے۔" عمار نے اسے بہت جوش کے عالم میں بتایا تھا۔

"کون حاشر۔" زونیہ نے لاپروائی سے پوچھا۔

"حاشر، میرا بھائی تمہارا کزن اور کون؟" عمار نے خفگی سے زونیہ کی طرف دیکھا۔

"او۔ اچھا، حاشر آیا ہے۔ میں سمجھی کسی ملک کے پرائم منسٹر کی تمہارے گھر آمد ہوئی ہے۔" زونیہ نے ہنسی دبائی تو عمار کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"ہمارے لیے وہ کسی پرائم منسٹر سے کم نہیں۔ ایسا لگتا ہے صدیوں بعد اسے دیکھا ہے۔ ہمارے گھر میں تو اس کی آمد کے ساتھ ہی گویا خوشیوں کی بارات اتر آئی ہے۔ بابا کی بیماری کی ٹینشن تک اڑنچھو ہو گئی ہے۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، میں بھی پھولوں کے ہار لے کر پہنچ جاتی۔" وہ مسلسل عمار کو تپا رہی تھی۔

"تم بھی نا زونیہ۔" عمار نے غصے سے لب بھینچے اور پھر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جا رہے ہو، مجھے بھی تو لیتے جاؤ میں بھی پرائم منسٹر صاحب مطلب حاشر صاحب کا دیدار کر لوں۔" وہ ہنسی دبائے، سرخ چہرہ لیے بھاگتے ہوئے عمار کے پیچھے آئی تھی۔

"بہت غلط کیا میں نے، امی کے کہنے پر خوامخواہ تمہیں لینے کے لیے آ گیا ہوں۔" اس نے غصے سے بائیک اسٹارٹ کی تو زونیہ اچھل کر اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کھلکھلائی۔

"کسی فلاور شاپ سے پھول بھی لیتے جائیں گے۔" وہ اب بھی شرارت کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔ عمار نے بائیک کی رفتار بڑھا دی تھی۔ یہ مسلسل اسے زچ کرنے کی سزا تھی۔

وہ اسی طرح مسلسل حاشر کا مذاق اڑاتی اور عمار کو چڑاتی، شور مچاتی خالہ سے لپٹ گئی تھی۔ خالہ سے بچوں کی طرح ڈھیروں پیار لیتے جوں ہی اس کی نگاہ سامنے اٹھی تو پھر پلٹنا بھول گئی۔

وہ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔

وہ بھول گئی تھی کہ اسے خالہ سے کیا کہنا ہے۔

وہ بھول گئی تھی کہ کوئی ایسا لفظ بھی ہے جو قدرت کے اس حسین شاہکار کی تعریف میں کہا جا سکے۔

وہ اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر کچن کے دروازے میں ننگے پاؤں کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں پائن ایپل جوس کا گلاس تھا۔ اس نے بلیک جینز اور ڈھیلی ڈھالی سی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے بال منتشر تھے' بالوں کے گچھے نے سفید پیشانی کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سوئی سوئی اور بہت گلابی تھیں شاید وہ سو کر اٹھا تھا۔

زونیہ نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں کی تراش بہت خوب صورت ہے اور نچلے لب کے بالکل پاس ہی موٹا سا سیاہ تل' زونیہ نے ایک مرتبہ پھر اس کے پیروں کی طرف دیکھا اس کے پیر بے حد سفید اور گلابی تھے۔

"کیا کوئی مرد اتنا خوب صورت ہو سکتا ہے؟"

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ خود سے پوچھا اور ایک دم ہی پلٹ کر لاؤنج میں چلی آئی۔

"ارے زونی تم آگئیں کب سے یاد کر رہے تھے ہم لوگ تمہیں۔" انابیہ بھابھی نے خوش دلی سے اسے اپنے ساتھ لپٹایا تو جواباً" وہ گرم جوشی کا اظہار بھی نہیں کر سکی تھی۔

"آج میں نے تمہاری پسند کی ڈش بنوائی ہے۔ یعنی کہ کڑھی کوفتے۔"

"اچھا۔۔۔" وہ بمشکل مسکرائی تھی۔ اسی اثنا میں عمار چلا آیا۔ زونیہ کو قدرے خاموش اور گم سم سا پا کر وہ مسکرایا۔

"ہو گئی نا بولتی بند حاشر کو دیکھ کر۔"

"مجھے گھر چھوڑ آؤ۔"

"کیا مطلب؟" عمار کے ساتھ ساتھ انابیہ بھابھی کو بھی اچنبھا ہوا تھا۔

"پاپا اکیلے ہوں گے۔" اس نے بمشکل بات بنائی تھی۔

"کھانا کھائے بغیر تو تم نہیں جا سکتیں۔"

"مگر۔"

"اگر مگر کچھ نہیں۔"

"زونیہ آئی ہے۔" علی نے چیخ کر کہا تھا۔ زونیہ ایک دم ٹھٹکی تھی۔ صرف چند پل لگے تھے اسے حواسوں میں آتے ہوئے۔ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ ہتھیلیاں پسینے سے شرابور تھیں۔

"دلہن تھک گئی ہے۔ اسے کمرے تک چھوڑ آؤ۔" کسی بڑی بی کو شاید اس پر ترس آگیا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے ولید کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے من میں اذیت کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ رونا چاہتی تھی بے تحاشا رونا' مگر نہ جانے کیوں اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔

"تو حاشر تم میرے کبھی بھی نہیں تھے' تمہارا نام میرے ہاتھ کی لکیروں میں کہیں نہیں۔" اس نے اپنے دودھیا حنائی ہاتھوں کو پھیلا کر بغور دیکھا اور تلخی سے بڑبڑائی۔

"میری یک طرفہ محبت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔"

اس نے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا۔

"وردلیس کے نہ جانے کون سے شہر کے باسی تجھے تو خبر بھی نہیں کہ تیرے عشق میں کوئی کس اذیت سے تڑپ رہا ہے۔" اس کا دل کرلایا۔

"میں تجھے اب بھی یاد نہیں کروں گی۔" زونیہ نے غصے سے کہا اور پھر خود ہی پھیکی سی ہنسی ہنس کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ اسی پل دروازہ آہستگی سے کھولا گیا تھا۔

* * *

"زونیہ! تم خوش تو ہو نا۔" ولید نہ جانے کون سی یقین دہانی چاہتا تھا بہرحال اسے ولید کو تو مطمئن کرنا ہی تھا سو اسی اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔

"میں بہت خوش ہوں۔"

"پر مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تم خوش نہیں ہو۔" اس نے آہستگی سے اپنی الجھن بیان کی۔ زونیہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے اک لمحے کے لیے مڑ کر دیکھا اور پھر دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"یہ تمہارے اپنے محسوسات ہیں۔"

"تم پہلے کی طرح بولتی کیوں نہیں ہو' تم کافی بدل گئی ہو ان پچیس دنوں میں۔" ولید نے اک اور الجھن سے اسے آگاہ کیا تو وہ لاپروائی سے بولی۔

"شادی کے بعد ہر لڑکی میں چینج آتا ہے۔ سو میرے اندر بھی تبدیلی آگئی ہے۔ اب کیا میں ہر وقت بے وقوفوں کی طرح قہقہے لگاتی پھروں یا پھر اچھل کود کروں۔"

"شادی کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خود پر سنجیدگی طاری کر لے۔" ولید جو کہہ رہا تھا بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اگرچہ وہ اس کی ہر بات کی نفی کر رہی تھی مگر دل ہی دل میں وہ اس کے اندازوں کی درستگی کے قائل بھی ہو رہی تھی۔ اس نے صحیح تجزیہ کیا تھا۔ زونیہ بدل گئی تھی اس نے خود پر خول چڑھا لیا تھا' بے حسی کا خول۔

"میرا خیال ہے تم کل سے یونی ورسٹی جانا شروع کر دو۔ ایگزامز میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ اگر رمیز بھائی کے جانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو شادی تمہارے ایگزامز کے بعد ہی کرنے کا ارادہ تھا میرا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم تمام خیالات جھٹک کر پڑھائی پر توجہ دو۔" ولید نے خود ہی ایک بہت مناسب حل اس کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ ان تمام تکلیف دہ سوچوں سے بچنے کے لیے کتابیں بہترین ساتھی تھیں۔ اس نے فوراً" ہی ولید کی بات مان لی۔

روٹین لائف شروع ہوئی تو وہ خود بخود ہی بہل گئی بلکہ اس نے خود کو زبردستی بہلا لیا۔ صبح یونیورسٹی' دوپہر کو بھابھی اور خالہ کی باتوں اور شام کو ولید کی سنگت میں وہ بہت حد تک حاوی ہو جانے والی زہریلی سوچوں سے آزاد ہو گئی تھی۔ اس نے خود کو بہلانا ہی تھا۔ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا اس کے پاس یہ گھر واحد پناہ گاہ تھی اور یہ سائبان' آشیانہ اتنا برا بھی نہیں تھا اگر۔۔۔۔ اس اگر کے بعد کبھی کبھی اس پر پھر سے قنوطیت کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

دراصل اب اس نے خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے خالہ کو اور ولید کو کس طرح خوش رکھنا ہے۔ خالہ تو جی جان سے اس پر فدا تھیں اور ولید بھی کم دیوانہ نہیں تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ پر جان دینے والا۔ اسے بہت اچھی سسرال اور بہت اچھا شوہر مل گیا تھا مگر وہ قدر دان عورتوں میں سے نہیں تھی۔

وہ شکر کرنے والی عورتوں میں سے بھی نہیں تھی۔

اور وہ صبر کرنے والی عورتوں میں سے بھی نہیں تھی۔

حاشر کی یادوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک ذریعہ ایمان کی ذات بھی تھی۔ اس نے روایتی عورتوں کی طرح گھریلو باتوں بلکہ ایک دوسرے کی غیبتوں اور کھٹی میٹھی دلچسپ گفتگو میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اس کام کا بھی الگ ہی مزا تھا۔

کبھی آمنہ آپی کی نند کی برائیاں۔

کبھی ان کی ساس اور دیورانی کی غیبتیں۔

کبھی انابیہ کے ساتھ مل کر خالہ کی کسی نہ کسی تلخ بات پر بحث۔

کبھی خالہ کے ساتھ بیٹھ کر ایمان کی ذات کے بخیے ادھیڑنے کی دلچسپ مصروفیت۔ وہ ہمیشہ خالہ کو ایمان کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ نہ جانے کون سی حس کو تسکین پہنچاتی تھی وہ۔

"خالہ جان! وہ میرے اور انابیہ بھابھی کے درمیان

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
وہ خبطی سی دیوانی سی
آسیہ سلیم قریشی
قیمت ۔۔۔ 400/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

توبالکل دب کر رہ جائے گی۔“ یہ تو مہر بیگم کا بھی پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ بھی گفتگو میں شریک ہو جاتیں۔

”نہ جانے عمار کے دماغ میں کیسا خناس بھر گیا ہے۔ بھلا خوب صورت لڑکیوں کی کوئی کمی ہے، جو اس رات سے رشتہ جوڑ لیا۔ کل کو بچے بھی اگر ماں پر پڑے تو پھر۔“ انہوں نے بے حد آزردگی سے کہہ کر ایمان کی گندمی سنہری رنگت کو کالی رات سے تشبیہ دے ڈالی۔

”ویسے کافی دن ہو گئے ہیں عمار نے شادی کی بات نہیں چھیڑی۔“ انابیہ بھی رازداری سے بولی تھیں۔

”ارے اتنی جلدی تو شادی نہیں کر سکتی میں۔ ابھی چھ ماہ پہلے زونیہ کو بیاہ کر لائے ہیں اور پھر عمار بھی آج کل جاب کی تلاش میں ہے۔ ایک دفعہ نوکری لگ جائے پھر سوچیں گے۔“ مہر بیگم نے بے زاری سے کہا تھا۔

”زونیہ! ذرا رات کے لیے چاول تو بنا لو، سالن اور روٹیاں تو میں بنا چکی ہوں۔“ انابیہ کو اچانک ہی خیال آیا تو کہہ اٹھیں۔ زونیہ خالہ کے سامنے جز بز سی ہو کر اٹھ گئی تھی جبکہ انابیہ کمر سیدھی کرنے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

* * *

حرا نے صبح ہی فون کر کے خالہ جان کی پوری فیملی کو انوائٹ کیا تھا۔ یہ دعوت تھی تو ولید اور زونیہ کے اعزاز میں مگر حرا نے سوچا کہ اسی بہانے مل بیٹھنے کا موقع مل جائے گا۔

ایمان کو ایک لمبی فہرست مینیو کی تھما کر خود تو وہ لاپروا ہو گئی تھیں جبکہ ایمان کی جان پر بن آئی۔

یہ کھانا صرف کھانا ہی نہیں تھا بلکہ ایک طرح سے اس کا امتحان بھی تھا۔ باقیوں کی تو خیر تھی اصل ٹینشن اسے مہر بیگم کی طرف سے تھی۔ وہ نا صرف خوش خوراک خاتون تھیں بلکہ ان کے ہاتھ میں لذت بھی بہت تھی۔

وہ صبح سے کچن میں مصروف تھی اسی لیے رات آٹھ بجے تک کھانا تیار ہو چکا تھا۔ بھابھی کے احساس دلانے پر وہ خود بھی ہلکا پھلکا سا تیار ہو کر آ گئی تھی۔ کچن میں بھابھی تمام ڈشز کو چکھنے کے بعد اب اسے کافی کھلے دل سے سراہ رہی تھیں۔

مہمانوں کی آمد کا سن کر وہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ پہلی مرتبہ مہر بیگم نے کافی تپاک اور محبت سے اسے ساتھ لپٹایا تھا۔ ایمان کا گویا سیروں خون بڑھ گیا۔

موسم کافی سرد تھا اسی لیے کولڈ ڈرنک کی جگہ چکن سوپ پیش کیا گیا تھا۔ عمار کی کمی ”تقریباً“ سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ ایمان بھی دل ہی دل میں اس سے خفا ہو گئی تھی جو کہ اپنے دوست کے والد کی عیادت کرنے گجرات چلا گیا تھا۔

کھانے کی میز پر انواع و اقسام کے کھانے اور ان میں اٹھتی خوشبوئیں بتا رہی تھیں کہ کھانا گھر میں ہی تیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ مسالوں کی تیز مہک مفقود تھی۔ سندھی بریانی، مچھلی کے کوفتے، قورمہ، کباب رول اور مہر بیگم کا من پسند سالن گاجر گوشت، میٹھے میں رس ملائی، کھیر اور بچوں کے لیے ٹرائفل۔ مہر بیگم نے ایک توصیفی نگاہ میز پر رکھے لوازمات پر ڈالی۔ اسی پل ایمان تین چار قسم کے سلیڈ ٹرالی میں سجا کر چلی آئی۔

حرا بھابھی نے بھی دل پر بھاری پتھر رکھ کر ایمان کی تعریف کر ہی ڈالی تھی۔ ان کے تعریف کرنے کی دیر تھی، زونیہ کا موڈ ایک دم آف ہو گیا کیونکہ مہر بیگم اب ایمان کی تعریف کرنے کے بعد اپنے پرس میں سے چار پانچ نیلے نوٹ نکال رہی تھیں یقیناً ”انعام“ کے طور پر ایمان کو یہ رقم دی گئی تھی۔ انابیہ بھی دل ہی دل میں قدرے رشک کے احساس سے دوچار تھیں۔ کیونکہ کھانا پکانے کے معاملے میں زونیہ اور انابیہ دونوں ہی فیل تھیں۔

کھانے کے بعد گرین ٹی کا دور چلا اور پھر مہر بیگم نے بھابھی سے اجازت طلب کی، کیونکہ زونیہ کی بے چینی وہ بھی نوٹ کر چکی تھیں۔

ایمان کے سر سے اک بھاری بوجھ ہٹ چکا تھا۔ مہر بیگم کا رویہ کافی حوصلہ افزا تھا۔ دن اسی طرح سبک رفتاری سے گزر رہے تھے۔

* * *

عمار کو ایک اچھی کمپنی میں جاب کی آفر کیا ہوئی اس نے جھٹ سے جوائن کر لیا۔ ولید اسے اکثر چھیڑتا تھا کہ بے چارا عمار شادی کی خاطر نہ جانے کتنے پاپڑ بیل رہا ہے مگر بقول عمار کے کوئی بھی پاپڑ سیدھا نہیں پڑ رہا تھا۔ سب تدبیریں الٹی ہو رہی تھیں۔ وہ جب بھی امی کے خوشامدی انداز میں گھٹنے پکڑنے کی کوشش شروع کرتا کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ کھڑا ہو ہی جاتا تھا کہ اسے اپنا منہ بند ہی رکھنا پڑتا۔

پہلے آمنہ آپی کی ساس بیمار ہو گئیں اور پھر انابیہ بھابھی کے والد صاحب اچانک وفات پا گئے۔ امی بہو کی ان دنوں دلجوئی میں مصروف تھیں۔ اللہ اللہ کر کے کچھ غم کے بادل چھٹے تو راحیل بھائی (بہنوئی) کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ آپی کی پریشانی کے خیال سے عمار ”تقریباً“ دو ماہ کوئٹہ بھائی جان کی عیادت میں مصروف رہا۔ اس کے اچھے اخلاق سے متاثر ہو کر راحیل بھائی بھی اس آگ میں کود پڑے اور بیگم کو منا کر ہی دم لیا۔ یوں پورے ڈیڑھ ماہ طویل بحث و مباحثے کے بعد امی کو آخر ماننا ہی پڑا۔ ان کے تمام حیلے بہانے حاشر نے اک بھاری بھرکم چیک بھیج کر دور کر دیے۔

شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی۔ انابیہ بھابھی کا موڈ آف اور زونیہ کا بھی مزاج برہم تھا جبکہ ولید ہر شے سے بے نیاز صرف عمار کی خوشی میں خوش ”تقریباً“ تمام باہر کے کام سنبھالے ہوئے سرشار تھا۔

”آخر دل کی مراد پا ہی لی تم نے۔“ وہ آتے جاتے عمار کو چھیڑتا۔

”عمار! تم بابا شاہ کے مزار پر دیسی گھی کے چراغ جلانا۔“ زین اور علی بھی کیوں پیچھے رہتے۔

”بعض لوگوں کے بخت بڑے بلند ہوتے ہیں۔“ زونیہ کا دل جل بھن رہا تھا۔ مایوں، مہندی اور بارات

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL
☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔
سوہنی ہیئر آئل
قیمت=/70 روپے
12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
1 بوتل کے لیے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لیے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لیے ---------- =/240 روپے
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2735021

کے فنکشن میں وہ کٹی کٹی سی رہی تھی۔

وہ میرج ہال سے جلدی گھر آگئی تھی۔ نہ جانے کب ایمان کو گھر لائے تھے۔ اس نے باہر نکلنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اسے ایمان سے کوئی خاص قسم کی پرخاش ہرگز نہیں تھی۔ وہ تو بس اس بات سے جلتی تھی کہ اتنی عام سی ہو کر وہ سب کچھ پاچکی ہے۔ ایمان کی آنکھوں میں چھپی عمار کی محبت اسے حسد میں مبتلا کردیتی تھی۔

"میرا دل بھی خالی ہے اور ہاتھ بھی۔" اس پل جاشر کی یاد' اس کی آنکھوں میں کرچیاں بن کر چبھنے لگی تھی۔

"بھلا دل پر کس کا اختیار ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ باہر شور' ہنگامے اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

وہ اسی طرح بت بنی چھت کو گھورتی رہی۔ خالہ امی کے بلاوے پر بھی باہر نہیں نکلی تھی کہ اچانک انجانا سا شور سنائی دیا۔ وہ بے حس سی پڑی رہی' باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اسی اثنا میں گھریلو ملازمہ پروین تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئی اور پھولی سانسوں سمیت بولی۔

"زونی بی بی! موش کو کرنٹ لگ گیا ہے۔ ولید اور عباد بھائی اسے ہسپتال لے گئے ہیں۔ آمنہ بی بی کا رو رو کر برا حال ہے صرف ایک ہی تو بچی ہے ان کی۔"

پروین کی اطلاع پر وہ ابھی باہر نکلنے ہی والی تھی کہ اچانک ٹیلی فون کی بیل نے گھر میں کہرام مچادیا۔ عمار بائیک پر ان دونوں کے پیچھے نکلا تھا۔ زین اور علی کے روکنے کے باوجود وہ سرعت سے ان کے پیچھے گیا۔ وہ لوگ گاڑی میں تھے۔

آمنہ آپی کے آنسو ان کی چیخ وپکار اور موش کا بے ہوش وجود' اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ شادی کے نو سال بعد کتنی ہی منتوں مرادوں سے اس کی بہن کی گود میں یہ ایک پھول کھلا تھا۔

ہر طرف آوازیں تھیں' شور تھا' چیخ وپکار تھی کوئی ایمان کو منحوس اور سبز قدم کہہ رہی تھی۔ کسی نے اسے بدبخت عورت کہا تھا۔ آمنہ آپی بھی ایمان کو کوس رہی تھیں۔ آنسوؤں کی دھند کے پار ہر منظر دھندلا رہا تھا۔ اس خوشی کا انجام آنسو ہی کیوں؟ اس رات کا اختتام اداسی ہی کیوں؟

اگر موش کو کچھ ہوگیا تو ایمان کو ساری زندگی کے لیے معتوب ٹھہرادیا جائے گا۔

وہ سبز قدم ہے۔ منحوس ہے' بدبخت ہے اس کی آمد نے پہلے دن ہی ان کے گھر صف ماتم بچھادی۔ عورتوں کی زہریلی باتیں' امی اور آپی کی نفرت۔ وہ صرف چند منٹوں میں ہی جان چکا تھا۔

اس پل ایک اور اور اک ایک اور آگہی کا در اس پر وا ہوا تھا۔ ایمان ان چاہی بہو اور ان چاہی بھابھی ہے۔ اس کا مقام وہ کبھی بھی نہیں ہوگا جو انابیہ بھابھی یا پھر زونیہ کا ہے۔

وہ ان حقیقتوں سے آج تک نگاہ چرا رہا تھا مگر کس گھڑی یہ تلخ حقیقتیں ذہن ودل کو آلودہ کرنے کے لیے وارد ہوئی تھیں۔

"میں ایمان کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے آنکھ سے گرتے آنسو کو پونچھ کر دل ہی دل میں عہد کیا۔

"اگر امی کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہ رہا تو میں ایمان کو لے کر الگ ہوجاؤں گا۔ ایمان کے آنسو مجھے تکلیف دیں گے۔ ایمان میری محبت ہے' میں اسے دکھ نہیں دے سکتا۔ وہ تو پہلے ہی اپنے ماں باپ کے دائمی جدائی کے غم میں مبتلا ہے' میں اسے۔" سامنے سے ٹرک آرہا تھا۔ عمار نے آنکھیں رگڑ کر دیکھنا چاہا مگر ایکدم ہی زوردار دھماکہ ہوا۔ اس کی تمام سوچیں پاتال میں گر پڑیں اور وہ خود تاریکیوں میں گم ہوگیا۔

✲ ✲ ✲

"ایمان! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے پاس اپنی اتنی یادیں چھوڑ دوں کہ تم کبھی ان یادوں کے حصار سے نکل ہی نہ سکو۔" اس کمرے کے درودیوار چیخ چیخ

کر روزانہ اسے یاد دلاتے تھے۔

"میں تمہاری یاد کے حصار سے نکلنا نہیں چاہتی عمار! میں ساری زندگی اس کمرے میں خود کو قید کرکے گزار دوں گی۔ تمہاری محبت کا حصار اتنا مضبوط ہے کہ کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔ کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔"

وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ وہ اسی طرح سارا سارا دن کمرے میں بند روتی رہتی تھی۔ وہ سہاگن بننے سے پہلے اجڑ گئی تھی۔ ابھی تو اسے عمار کی جدائی کا ماتم کرنا تھا ابھی تو اسے اپنے اجڑنے کا ماتم کرنا تھا۔ بھابھی کے مجبور کرنے' امی کی خودساختہ نفرت' زونیہ کی جلی کٹی باتوں کے باوجود وہ اس گھر کو اور عمار کے کمرے کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ مہمان جو ان کی خوشیوں میں شرکت کی غرض سے آئے تھے عمار کی نماز جنازہ پڑھ کر چلے گئے۔

خوشیوں کی نوخیز صبح پر غم کی سیاہ چادر پڑچکی تھی۔

وہ زخم زخم دل لیے سب کی ترحم آمیز نگاہوں کی زد میں دن بھر کھاگ قسم کی عورتوں سے چھپتی رہتی۔ وہ اسے بیچ منجدھار میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

وہ اسے صندل کیے بغیر چلا گیا تھا۔

وہ شگفتہ کلی تھی' جس کی مہک اور رس کو غموں نے چوس لیا تھا۔

وہ بکھر رہی تھی اسے سمیٹنے والا چلا گیا تھا۔ اپنی چاہتوں کا اظہار کیے بغیر' اسے زمانے کی نگاہوں میں معتبر کیے بغیر جانے والا چلا گیا تھا۔ اس کا دامن خالی تھا۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں۔

ایک مہینہ گزر گیا تھا ایسے ہی کئی مہینے گزر جانے تھے۔ مگر کوئی ان رتجگوں کی سرخی لیے آنکھوں سے پوچھتا کہ وقت کیسے گزر رہا ہے۔

عمار سے محبت کرنے والے سب اس کی دائمی جدائی کا غم دل میں بسائے دنیاداری کے تقاضوں سے مجبور روٹین کی مصروفیت میں خود کو الجھا رہے تھے۔ ان سب کے پاس جینے کا کوئی نہ کوئی جواز موجود تھا۔

موش کی صحت یابی کے بعد آمنہ آپی بھی اسے گھر سے بھیجنے کا مشورہ دے کر واپس چلی گئی تھیں۔

چوتھے دن حرا بھابھی اسے لینے کے لیے آگئیں۔ امی نے اسے بیگ تیار کرنے کا آرڈر دے دیا تھا۔ ظاہر ہے یہاں رہنے کا بھلا کیا جواز تھا۔ اسے جانا ہی تھا۔ مگر وہ عمار کا کمرہ چھوڑ کے جانا نہیں چاہتی تھی۔ عمار چلا گیا تھا اور یہ لوگ اس کی یادیں بھی چھین لینا چاہتے تھے۔

اس نے حرا بھابھی کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔ ایمان کے انکار نے گھر بھر کو حیرت میں مبتلا کردیا۔

"یہاں کس امید پر رہنا چاہتی ہے۔" مہر بیگم نے تنفر سے کہا۔

"میرے عمار کو تو اس ڈائن نے کھالیا ہے۔ اب کون سا عظیم نقصان چاہتی ہے یہ۔ لے جاؤ اپنی منحوس نند کو حرا! میں اب مزید اسے برداشت نہیں کروں گی۔"

"بمشکل ہی تو اس بوجھ سے خود کو آزاد کیا تھا۔ اب پھر ہمارے ہی در پر آپڑے گی۔" حرا بھابھی کی زہریلی آواز نے اس کے قدموں کو زنجیر پا کردیا۔ اس وقت انابیہ اور زونیہ بھی کمرے میں موجود تھیں۔ اس ذلت کے احساس نے اسے پلٹنے پر مجبور کردیا۔

"نکل بھی آؤ باہر شہزادی صاحبہ! زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے اس نے۔" حرا بھابھی نے چلا کر کہا۔

"اپنے مسائل کیا کم ہیں۔ بچے بڑے ہورہے ہیں اور ان لاڈو رانی کو بار بار کون بھگتائے۔"

"جہیز کا سامان بھی بھجوادوں گی۔" مہر بیگم نے بھانجی سے کہا۔

"پروین! ایمان سے کہو' سامان سمیٹے اور دفع ہوجائے اپنا منحوس وجود لے کر' کیا دھکے دے کر نکالوں کس قدر ڈھیٹ ہے یہ۔" وہ باہر چلا رہی تھیں اور ایمان زاروقطار رو رہی تھی۔ عمار کی تصویر گود میں رکھے اس کا وجود گویا زلزلے کی زد میں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چاروں خواتین دروازہ دھاڑ سے کھولے اندر چلی آئیں۔ مہر بیگم نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور بولیں۔

"جوان بیٹا بچھڑ گیا ہے میرا۔ آج تک اس نے نافرمانی نہیں کی تھی۔ نہ جانے کون سا جادو کیا تھا تو نے

اس پر کہ میرے سامنے کھڑا ہو گیا تھا' جادو گرنی تو نے ہی میرے عمار کو مجھ سے جدا کیا ہے۔ جا چلی جا یہاں سے' ورنہ کچھ کر بیٹھوں گی میں۔ اس مظلومیت کا ڈھول کہیں اور جا کر پیٹنا۔" انہوں نے جنونی انداز میں اسے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرائی۔

"امی! مجھے یہیں رہنے دیں' میں آپ کی خدمت کروں گی۔ گھر کے کام کروں گی۔ بس مجھے یہ کمرہ بخش دیں۔ مجھے اس گھر سے مت نکالیں' یہ کمرہ میری جاگیر ہے' میری جائے پناہ ہے۔ میرا سائبان ہے۔ میں عمار کی بیوہ بن کر ساری زندگی اسی گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔ امی! اللہ کے لیے مجھے ان یادوں سے دور مت کریں' جو وہ جانے سے پہلے مجھے بخش گیا ہے۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے سوائے ان چند یادوں کے۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں عمار کی یاد کو دل میں بسائے۔" وہ عمار کی بیوی تھی صرف چند لمحوں بعد بیوہ بن گئی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ان کے پیر پکڑ لیے۔

"اللہ کے غضب سے ڈرو مہر بیگم! اللہ کو جان دینی ہے۔ کیسے پروردگار عالم کے حضور کھڑی ہو گی تم یہ ظلم کر کے۔ کیسے عمار کا سامنا کرو گی روز قیامت۔ کیسے خود سے نظر ملاؤ گی۔ تم بھی بیٹی کی ماں ہو نہ۔ آہ لو اس یتیم کی جو بد قسمتی سے تمہاری بہو بن گئی ہے۔ جو تمہارے عمار کی بیوہ ہے' عمار میرے جگر کا ٹکڑا تھا میں کیسے اس کی محبوب بیوی کو اس گھر سے نکل جانے دوں۔ کوئی اسے اس گھر سے نہیں نکال سکتا۔ کس کی جرات ہے اس کے ساتھ ناانصافی کرے۔ یہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہے گی سنا تم نے۔" سجاد صاحب نے چنگھاڑ کر کہا تھا اور پھر بلکتی ہوئی ایمان کو سینے سے لگا لیا۔ وہ گویا اس کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے تھے۔

"تاحیات ایمان مجھے عمار کی یاد دلائے گی۔ جب جب میں اسے دیکھوں گا تو ہنستا مسکراتا عمار اس کے پہلو میں آ کھڑا ہو گا۔ تمہیں کیوں بھول گیا ہے کہ عمار کو اس سے کس قدر محبت تھی اور مجھے اپنے بیٹے کی محبت سے محبت ہے۔ آج میرے چھ بیٹوں میں صرف وہ نہیں ہے۔ اس کی کمی ایمان پوری کرے گی۔"

ان کا فیصلہ اٹل تھا۔ اس فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا تھا حتی کہ مہر بیگم بھی نہیں۔

ایمان کے احساس تشکر کے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے اسے زندگی کی نوید سنائی تھی۔ وہ بھابھی کے ساتھ ہرگز نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ زندگی اس زندگی سے بھی بدتر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ادھر اسے کسی نے رونے بھی نہیں دینا۔ یہاں کم از کم وہ کھل کر رو تو سکتی تھی۔ جب جب اس کا دل بہت آزردہ ہوتا وہ عمار کی تربت پر چلی جاتی اور جب بابا کراچی سے گھر آتے تو وہ دونوں عمار کو یاد کر کے رو لیا کرتے تھے۔

اس نے خود کو مصروف کر لیا تھا۔ گھر کے بے حساب کاموں میں' اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے ہرگز بھی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ دن بھر ڈھیروں کے حساب سے کام کرنے کے باوجود وہ خود کو تر و تازہ سمجھتی اور پھر دن آخر ڈھل جاتا' رات سونے آنگن میں اتر آتی۔ وہ اک سرشاری کی کیفیت میں اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ جاتی۔ آنکھوں میں رنگ اور ڈھیروں سکون لیے۔ اسے خبر نہ ہوتی کہ اس کا سکون باقی کچھ لوگوں کو کتنی بے سکون کیے رکھتا ہے۔

عمار کے بیڈ پر لیٹ کر اس کی تصویر سے' اس کے تصور سے باتیں کرتے کرتے نہ جانے کب نیند کی دیوی مہربان ہو جاتی تھی۔ رات کے تیسرے پہر کے ابتدائی حصے میں اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ پھر وضو کے بعد تہجد پڑھنے' قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی لذت پورے دن سرشار کیے رکھتی۔ رات کا کچھ حصہ اس کا عبادت الٰہی میں گزرنے لگا تھا۔ کچھ عرصے بعد ولید نے اسے مزید پڑھنے کا مشورہ دیا تو اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ پھر ایک مخلص خاتون کے مشورے پر اس نے مدرسہ جانا شروع کر دیا۔ فقہ اور حدیث کا مطالعہ اس کی زندگی کے مقاصد میں شامل ہو گیا۔ قرآن کریم کی تلاوت مع ترجمے کے ساتھ پڑھنے کی لذت نے اسے مسرور کر دیا تھا۔

عمار کی محبت اس کے لیے ایک تحفہ تھی جس نے اسے رب کائنات کے بے حد قریب کر دیا۔

انابیہ اور زونیہ اس کے اطمینان پر حیران ہوتی رہتی تھیں۔ وہ خود کو چادر میں لپیٹ کر باہر نکلتی تھی۔ گھر میں بھی یہ خیمہ نما چادر اس کے وجود کے ارد گرد رہتی۔ آمنہ آپی یا امی کی جلی کٹی باتوں کی طرف اس کا کبھی دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اس کی اپنی ایک چھوٹی سی دنیا تھی اور اگر کوئی اس دنیا کی وسعت کو دیکھ لیتا تو حیران ہی رہ جاتا۔

اس نے دو سال کے عرصے میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ' سنن نسائی' جامع ترمذی کا مطالعہ اس کا روز کا معمول تھا۔ اس نے بہت سی احادیث زبانی یاد کر رکھی تھیں۔

* * *

بابا ان دنوں کراچی سے آئے ہوئے تھے۔ وہ اکثر ہی ملک کے مختلف شہروں میں تبلیغ و وعظ کے لیے سفر کرتے تھے۔ سال کے آٹھ ماہ ان کے سعودی عرب میں گزرتے تھے۔

بابا کی آمد کے ساتھ سب ہی اپنی اپنی جگہ محتاط ہو جاتے تھے۔ انابیہ بھابھی کا رویہ قدرے اس کے ساتھ بہتر ہو جاتا۔ امی بھی طنز و طعنے دینے سے گریز کرنے لگتی تھیں اگرچہ اس نے کسی کے رویے کی شکایت کبھی نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کی باتوں کی طرف دھیان دیا تھا۔

بابا کے آنے کے بعد اس کا زیادہ وقت اسٹڈی روم میں گزرتا تھا۔ وہ سارا دن بابا کو گرما گرم چائے بنا کر دیتی اور ان کے سفر کے احوال بغور سنتی۔ سعودی عرب میں ان کے قیام کی تفصیل سنتے ہوئے اس کی آنکھیں عقیدت کے موتی برسانے لگتی تھیں۔

اس نے بھی مکہ دیکھنا تھا جو دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ جس کی پہلی مسجد کا نام کعبہ ہے۔ جس میں ایک سیاہ پتھر نصب ہے۔ جسے حجر اسود کہتے ہیں۔ اس نے بھی حجر اسود کا بوسہ لینا تھا۔

اس کا بھی دل بے قرار تھا منیٰ میں واقع مسجد الخیف کو دیکھنے کے لیے۔ اس کے دل کی آرزو تھی کہ وہ مسجد عقبہ میں بیٹھ کر عمار کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ وہ مسجد نبوی کے تین سو سینتیس ستون' چار مینار اور دس دروازوں کو بوسہ دینے کے لیے بے قرار تھی۔

اس نے خانہ کعبہ کی چھاؤں میں بیٹھ کر نوافل ادا کرنے تھے۔ اس نے رب سے شکوہ کرنا تھا کہ اس کے عمار کو کیوں اتنی جلدی اپنے پاس بلا لیا ہے۔

اس نے میدان عرفات میں موجود اس پہاڑ کو دیکھنا تھا جسے "جبل الرحمۃ" کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی چوٹی پر فخر کائنات نے انسانیت' محبت' رحمدلی' امن و آشتی اور فلاح کا آخری پیغام دیا تھا۔

بابا اس کی دلی خواہشات سے انجان نہیں تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس سال وہ ضرور ایمان کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔

وہ بیت اللہ کی زیارت کرنا چاہتی تھی اور بابا ایمان کی اس خواہش کو ہر صورت پورا کرنا چاہتے تھے۔ ایمان اللہ کی طرف سے بلاوے کی منتظر تھی۔

بابا کو اس دفعہ ایمان میں اور بھی بہت سی تبدیلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ پہلے کی طرح اس نے بابا کو دیکھ کر ضبط کا دامن نہیں چھوڑا تھا بلکہ اک نرم مسکان نے ان کا استقبال کیا۔ یہ تبدیلی انہیں بہت اچھی لگی تھی۔

ایمان کے شب و روز بالکل پہلے کی طرح تھے۔ دن بھر مصروفیت کا وہی عالم تھا۔ بابا کا اس دفعہ گھر میں قیام بہت مختصر تھا۔ لہٰذا وہ چند دنوں کے لیے مدرسے سے چھٹی لے چکی تھی۔

وہ بابا کے لیے اتنا اہتمام کرتی مگر وہ دودھ کے گلاس اور ایک عدد کھجور کے علاوہ ٹیبل سے کچھ نہیں اٹھاتے تھے۔ آہستہ آہستہ ایمان کا بھی یہی معمول بنتا گیا۔

بابا کے جانے کے بعد گھر میں پہلے جیسے حالات ہو گئے تھے۔ ان دنوں آمنہ آپی بھی آئی ہوئی تھیں اور طنز کے تیر برسانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔

"یہ ملانیوں والا حلیہ کب سے بنا لیا ہے۔"

"جب سے دل پر چوٹ لگی ہے۔" جواب زونیہ کی

طرف سے آیا تھا۔

”جتنا صدمہ ہمیں ہے عمار کی اچانک وفات کا اتنا کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے بھرائی آواز میں کہا۔

”تو اور کیا آپ کا تو عمار کے ساتھ خونی رشتہ ہے۔“ زونیہ نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”تم کبھی میکے نہیں گئیں۔“ اچانک یاد آنے پر انہوں نے ایمان کی طرف رخ کیا۔

”نہیں۔“ ایمان نے مختصر کہا۔

”کیوں؟“

”میری مرضی۔“ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

”مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔“ زونیہ نے منہ بنایا۔

”یہ سب بابا کی شہ پر ہو رہا ہے۔ کیسے تڑاخ سے جواب دے گئی ہے۔“ آمنہ آپی جل بھن گئی تھیں۔

”بابا نے محترمہ کو زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا ہے۔“ زونیہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

”تو اور کیا بھلا کیا ضرورت تھی آگ، تیل کو اکٹھا رکھنے کی۔“ آمنہ آپی کا انداز زیرِ سوچ تھا۔

”کیا مطلب...“ زونیہ ٹھٹکی۔

”گھر میں دو جوان لڑکے موجود ہیں۔“ آمنہ نے دانستہ دو شادی شدہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔

”بھلا نیت بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ میں امی کو سمجھاؤں گی۔ یہ محترمہ تو ویسے بھی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے بیٹھی ہیں۔“ آمنہ دل ہی دل میں بڑبڑائیں۔

”ہاں آپی ایسا تو پہلے سوچا نہیں ہے اگر...“ زونیہ نے معنی خیزی سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

”ظاہر ہے کچھ کرنا تو ہو گا۔ کیا ساری زندگی اسے یوں ہی بٹھائیں گے۔ عمیو کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے بالکل ہی گاؤدی ہے۔ اتنا بھی حرا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔“

”آپا کا بھلا کیا قصور ہے۔ وہ تو اسے لینے کے لیے آئی تھیں پر بابا ہی نہیں مانے۔“ زونیہ نے فوراً بہن کی صفائی پیش کرنا چاہی۔

”عمیو زبردستی لے جاتا۔“

”انہوں نے بھی بہت کوشش کی ہے مگر ایمان نہیں مانی۔ پکی ملانی بن گئی ہے سال کے چھ مہینے روزے سے رہتی ہے۔“ زونیہ نے آمنہ آپی کا دھیان بٹانا چاہا جس میں قدرے کامیابی ہوئی۔

”سب دکھاوا ہے۔“ آمنہ آپی نے تنفر سے کہا۔

”ولید کو ذرا کنٹرول میں رکھو خوامخواہ زیادہ ہمدرد بنتا ہے۔“ کچھ سوچ کر انہوں نے زونیہ کو سمجھانا چاہا۔

”کیا مطلب...“ زونیہ قدرے حیران ہوئی۔

”ایسی لڑکیوں کا بھلا کیا بھروسہ یوں تو عمر تمام نہیں کر رہی اس گھر میں نہ جانے کیا مقصد ہے اس کا۔ شاید کوئی خاص امید لگائے بیٹھی ہے۔ اس گھر میں پھر سے جگہ بنانا چاہتی ہے۔ بابا کو ان باتوں کا بھلا کیا پتا۔ امی بھی اس نازک مسئلے کی طرف توجہ نہیں کر رہیں بلکہ وہ تو مطمئن ہیں کہ سارا گھر ایمان نے سنبھال رکھا ہے۔ ملازموں کی چھٹی کروا دی ہے۔ بچت نظر آ رہی ہے تو آنکھیں بند کر رکھی ہیں انہوں نے۔ تم دونوں بھی تو بلا کی نکمی ہو۔“ آخر میں انہوں نے اسے بھی کافی سخت سست سنائیں۔ زونیہ منمنا کر رہ گئی تھی۔ تاہم آمنہ کی باتیں اس کے ذہن پر نقش چھوڑ گئیں۔ اب وہ بڑے دھیان سے ایمان کا اور ولید کا جائزہ لیتی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں وہ اس کام سے بور ہو گئی۔

”آمنہ آپی نے تو خوامخواہ وہم میں مبتلا کر دیا ہے۔ ولید ایسا ہرگز نہیں۔“ ولید ان دنوں آفس کے کام کے سلسلے میں ہالینڈ گیا ہوا تھا۔ واپسی پر اس نے سب کے لیے خوب شاپنگ کی تحائف خریدے۔ ان چیزوں میں ایمان کے لیے بھی چند گفٹس موجود تھے۔ زونیہ کو پتا چلا تو ایک دم ہی سیخ پا ہو گئی۔

”ایمان کے لیے اتنا کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”کیوں ضرورت نہیں تھی۔ کیا وہ اس گھر کی فرد نہیں ہے؟“ ولید نے ازلی نرم لہجے میں کہا۔

”میں اسے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دوں گی۔“

”تم اتنی لالچی تو نہیں تھیں۔“ ولید کو حیرت نے گھیرا۔

”ولید! تم میرے شوہر ہو۔“ زونیہ چبا چبا کر بولی۔ ولید نے آنکھیں پھیلا کر زونیہ کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا اٹھا۔

”میں صرف تمہارا شوہر ہوں۔“

”تم نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ سب کے لیے تحفے لاتے پھرو۔“ زونیہ کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

”میں ساری دنیا کے لیے نہیں صرف اپنے گھر کے افراد کے لیے معمولی سے گفٹس لایا ہوں۔“ ولید تسلی آمیز انداز میں بولا تھا۔

”آئندہ تم ایمان کے لیے کچھ نہیں لاؤ گے۔“ اس نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

”ذرا قریب آ کر کہو...“

”اونہہ...“ وہ غصے سے بھناتی باہر نکل گئی۔

* * *

”امی! کیا سوچا ہے آپ نے ایمان کے بارے میں۔ کب تک اسے گھر میں بٹھائے رکھنا ہے۔“

”تو کیا کروں، دھکے دے کر نکالوں اسے نہ وہ جاتی ہے نہ تمہارے بابا اسے جانے دیتے ہیں۔“ انہوں نے بےزاری سے کہا۔

”ایمان کا یہاں رہنا مناسب نہیں۔“ آمنہ نے دبی آواز میں سمجھانا چاہا۔

”آپ بابا سے بات کریں۔“

”کیا کہوں ان سے، وہ بھی کچھ سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

”بابا سے کہیں کہ وہ اس کی کہیں شادی کر دیں۔ اتنے تو ان کے جاننے والے ہیں۔“

”شادی...“ مہر بیگم چونک اٹھی تھیں۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔“

”یہی بہتر ہے ہمارے حق میں بھی اور ایمان کے لیے بھی۔“ آمنہ نے معنی خیزی سے ان کا ہاتھ دبایا تو وہ تنک اٹھیں۔

”اس گھر کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کتنی سلیقہ مند ہے وہ کیا خوب ہاتھ میں ذائقہ ہے۔ میں تو ان دو سالوں میں اس کی عادی ہو چکی ہوں۔ انابیہ اور زونیہ تو انتہائی نکمی اور پھوہڑ ہیں۔“

”مفت میں کام بھی ہو رہا ہے اور تنخواہ بھی نہیں دینی پڑتی۔“ پاس بیٹھے زین نے طنزیہ کہا تو آمنہ آپی کو پتنگے لگ گئے۔

”تم اپنے کام سے کام رکھو، زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں۔“ بڑی بہن کا لحاظ تھا اسی لیے وہ خاموشی سے اٹھ گیا جبکہ مہر بیگم مسلسل سوچوں میں گم تھیں۔

”آج زین کی زبان کھلی ہے، کل کو دوسرے بھی بول اٹھیں گے اور میں نہیں چاہتی کہ اس گھر میں کسی بھی قسم کی بدمزگی ہو۔ جو میں کہنا چاہتی ہوں، وہ آپ کیوں نہیں سمجھ پا رہیں۔“ آمنہ نے جھنجلا کر کہا۔

دوسرے دن مہر بیگم نے ایمان کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ آمنہ بھی قریب ہی بیٹھی تھیں۔ ایمان بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”آج میں نے حرا کو بلوایا ہے۔ تم اپنی تیاری رکھو، ابھی تمہیں جانا ہے۔“ انہوں نے تمہید باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

”کہاں جانا ہے۔“

”جہاں تمہیں آج سے دو سال پہلے چلے جانا چاہیے تھا۔“ مہر بیگم نے رکھائی سے کہا۔ ایمان کو بات سمجھنے میں لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔

”دو سال گزر گئے ہیں، دس سال گزرتے کتنی دیر لگے گی۔“

”تم شادی نہیں کرنا چاہتی نہ کرو، گھر میں مزید تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتی۔“

”میرا وہاں رہنا عذاب بن جائے گا۔ حرا بھابھی قطعاً نہیں مانیں گی۔“ ایمان نے التجائیہ لب و لہجے میں کہا۔

”مجھے یہیں رہنے دیں۔“

"ایسا ممکن نہیں۔"

"کیوں ممکن نہیں، میں پہلے بھی تو یہاں رہ رہی تھی۔" ایمان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"مجھے بس اتنا ہی کہنا تھا۔ تم جا سکتی ہو۔"

"پلیز امی۔"

"کہا نا چلی جاؤ۔"

"آپی! آپ ہی امی کو سمجھائیں۔"

"جاؤ ایمان چلی جاؤ۔ مت آزماؤ ہمارے ضبط کو۔" آمنہ آپی نے تنک کر کہا تو وہ مرے مرے قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔

اسی شام جب وہ اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک بابا چلے آئے۔ ان کی آمد کا سن کر ایمان کو کڑی دھوپ میں بادلوں کا گمان ہوا تھا۔ وہ جا رہی تھی انہیں کیسے خبر ہوئی۔ مہر بیگم جز بز ہو کر رہ گئیں تاہم جتایا ضرور۔

"اس دفعہ جلدی آ گئے۔"

"ہاں، دل گھبرا رہا تھا، سوچا گھر چلا جاؤں۔" انہوں نے فورا" ایمان کو بلایا۔ اسی اثنا میں حرا بھابھی اور بھیا بھی آ گئے۔ بھیا بہت غصے میں تھے۔ آتے ہی برسنے لگے۔

"کہا تھا اسے چلو ہمارے ساتھ کیا رکھا ہے یہاں، مگر نہیں مانی اس ذلت سے بہتر تھا پہلے ہی مان جاتیں چلو ابھی اسی وقت۔"

"کیا بات ہے بیٹے!" بابا نے حلاوت سے کہا۔

"ایمان کو لینے کے لیے آیا ہوں۔"

"کیوں؟" وہ حیرانی سے بولے۔

"یہ آپ اپنے گھر والوں سے پوچھیں، ویسے بھی ایمان کا یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔"

"یہ تمہیں دو سال پہلے سوچنا تھا۔" آمنہ چمک کر بولیں۔

"دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتے تھے۔"

"خاموش ہو جائیں پلیز۔" بھیا چلا اٹھے۔ بابا نے آمنہ آپی کو جھڑکا اور پھر بھیا کو مزید بولنے بھی نہیں دیا بلکہ ان کا بازو تھام کر اسٹڈی روم میں چلے گئے۔ دو گھنٹے بعد جب وہ باہر آئے تو خاموش تھے۔ انہوں نے ایمان کو چلنے کے لیے نہیں کہا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد آمنہ آپی خوب گرجتی برستی رہیں۔ بابا عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے تھے۔

بابا نماز پڑھ کر واپس آئے پھر انہوں نے اپنے سب بیٹوں کو لاؤنج میں طلب کیا۔ علی اور زین بچوں میں شمار ہوتے تھے مگر بابا نے ان دونوں کو بھی بلوا لیا۔

پہلے انہوں نے عہد نبوی ؐ کے چند ایک واقعات بیان کیے۔ دو تین احادیث پڑھیں اور پھر بغیر تمہید کے بولے۔

"میں جو پردیس میں جا کر دین کی تبلیغ کا کام کرتا ہوں۔ لوگوں کو نصیحتیں، مشورے دیتا ہوں۔ حسن سلوک، حسن اخلاق اور محبت و پیار کے اس سبق سے میرے اپنے گھر والے محروم ہیں۔ اس سے بڑی بدقسمتی بھلا کیا ہو سکتی ہے۔

ہماری نمازیں، عبادتیں سب ضائع ہو جائیں گی جب ہم حقوق العباد سے نگاہ چرائیں گے۔ میں کس قدر انجان عاقبت نااندیش تھا۔ سب کچھ جانتے بوجھتے انجان بنا رہا۔

کیوں تم لوگ جہنم خرید رہے ہو؟ کیوں تم لوگ اپنے گنے چنے اعمال ضائع کرنے کے درپے ہو؟" وہ چند لمحے کے لیے رکے اور پھر عباد پر نگاہ جما کر بولے۔

"میں نے اللہ کی رضا کے لیے اور ایمان کی بہتری کے لیے ایک فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے تم لوگ اس سے متفق ہو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ عباد تم ایمان سے عقد ثانی کر لو، یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔" انہوں نے گویا ان سب کے سروں پر دھماکہ کیا تھا۔

"بابا! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" سب سے پہلے عباد ہی بولنے کے قابل ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں انابیہ کے لٹھے کی مانند سفید چہرے پر جمی تھیں۔

"تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو انابیہ کو یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"بابا! میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔" عباد چلا اٹھا تھا۔

"آپ جانتے ہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ، میری ازدواجی زندگی تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے ایسی امید مت رکھیے۔ میرے بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ کیا مجھے یہ سب زیب دیتا ہے۔"

"اسلام میں بہت گنجائش ہے۔" وہ اپنے اسی نرم لب و لہجے میں بولے۔

"مگر میری زندگی میں کسی اور فرد کی کوئی گنجائش نہیں۔" عباد نے پتھریلے انداز میں کہا۔

"آپ ولید سے کہیں یہ کر لے اسے شاید ضرورت بھی ہے۔ تین سال ہو گئے ہیں اس کی شادی کو جبکہ زونیہ کی گود ہنوز خالی ہے۔ مجھے ہی کیوں برباد کرنا چاہتے ہیں آپ لوگ۔" انابیہ پھٹی پھٹی آواز میں چلائی تھیں۔ مہر بیگم بھی گویا حواسوں میں لوٹ آئیں۔

"ولید کا نام بھی مت لینا۔ میں زونیہ کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" مہر بیگم نے سرد آواز میں کہا۔

"زونیہ بھانجی ہے۔ آپ اس کی فیور تو کریں گی ہی۔" انابیہ کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

"اگر عباد نے ایسا کچھ کیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

"ولید کو میں ایمان سے نکاح نہیں کرنے دوں گی۔" مہر بیگم نے حقارت سے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا تم لوگ چاہتے ہو ویسا ہی ہو گا۔" آمنہ کو امید نہیں تھی کہ بابا مان جائیں گے۔ ان لوگوں کی گویا جان میں جان آئی۔

بابا خاموشی سے اٹھے اور فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئے۔ اب وہ نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ سب نے الجھن آمیز نگاہوں سے بابا کی طرف دیکھا۔ انہوں نے بڑی رواں انگلش میں کسی سے بات کی تھی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اردو میں بات کرنے لگے۔

"اپنے باپ کا مان رکھنا ہے تو آ جاؤ۔ صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر۔ اگر تم بھی اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو میں بھلا کیا کر سکوں گا مگر ایک بات یاد رکھنا اس کے بعد تم سب میری شکل کو بھی ترس جاؤ گے۔" انہوں نے فون رکھ دیا تھا اور گویا سب کو ہی سانپ سونگھ گیا۔

"ایمان میری بیٹی ہے اور میں اس کے بارے میں بہترین فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

* * *

حاشر پاکستان آ گیا تھا۔ جس جس نے بھی سنا گویا دانتوں میں انگلیاں دبالیں۔ حاشر کی ضدی طبیعت، اکھڑ مزاج سے بھلا کون ناواقف تھا۔ وہ جو شروع سے ہی اپنے فیصلے خود کرتا تھا۔ بغیر کچھ کہے خاموشی سے بابا کے کہے پر عمل کرتا رہا۔

اس نے امی کے آنسوؤں اور آمنہ آپی کی التجاؤں کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ سب نے ہی اسے سمجھانا چاہا تھا۔ روکنا چاہا تھا مگر وہ حاشر تھا جب ایک مرتبہ فیصلہ کر لیتا تو پھر پلٹنے کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔

بابا نے نکاح سے پہلے ایمان کو نہ جانے کیا کہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بس آنسو بہاتی رہی۔ اسے بھی تو بابا کا مان رکھنا تھا۔

حاشر تیسرے دن واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ دو مہینے بعد واپس آئے گا ایمان کو ساتھ لے جانے کے لیے۔ بابا کی ایک واحد یہی شرط تھی جسے اس نے فورا" ہی مان لیا۔

حاشر چلا گیا تھا مگر گھر والے ابھی تک شاک کی کیفیت میں تھے۔ انابیہ حیران تھیں جبکہ زونیہ پر تو صدمات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ حاشر ایمان کے ساتھ ـــــ نہیں میرا دل نہیں مانتا۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی، خود سے سوال جواب کرتی انتہائی پریشان اور افسردہ تھی۔

"ایمان کیا اتنی بخت آور ہے کہ اسے بیٹھے بٹھائے سب کچھ مل گیا اور میں تہی داماں رہ گئی۔" وہ ایک دم ہی زور زور سے چلانے لگی تھی۔

گھر والوں کی ڈھکی چھپی نفرت کا اظہار اب با آواز بلند ہونے لگا تھا۔ مگر ایمان ان سب باتوں کی اب عادی ہو چکی تھی۔ اسے اب کسی کے بھی رویے سے دکھ نہیں پہنچتا تھا۔ امی کے کوسنے اور آمنہ آپی کی گالیاں

بھی اسے تکلیف نہیں پہنچاتی تھیں۔ وہ واقعی بے حس ہو چکی تھی۔

اپنے وعدے کے عین مطابق حاشر اسے لینے کے لیے آگیا تھا۔ کچھ کاغذی کارروائی باقی تھی جو کہ اب مکمل ہو گئی تھی۔ اسے اسی ہفتے چلے جانا تھا نہ جانے کہاں۔ اسے بس اتنا پتا تھا کہ بابا کی خواہش ہے وہ کچھ عرصے کے لیے اس گھر سے دور چلی جائے۔ اسے تو بس بابا کی ہر بات کا مان رکھنا تھا۔ وہ انہی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہاں سے جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ ورنہ اس گھر سے دوری کا خیال ہی اس کی روح کو رگیدنے کے لیے کافی تھا۔

یہ گھر عمار کا تھا اور کون جانے کہ ایمان کو اس گھر کے در و دیوار سے کیسا جنونی عشق تھا۔ اسے عمار کے کمرے سے کیسا عشق تھا۔ اسے عمار کے بابا سے کتنی محبت تھی۔ اسے عمار کی ماں سے کس قدر والہانہ عقیدت تھی یہ جانتے بوجھتے کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہیں۔ وہ محض عمار کی خاطر انہیں چاہتی تھی۔ ان کا خیال رکھتی تھی۔ نہ جانے یہ محبت کی کون سی قسم تھی اور دیوانگی کی کون سی حد تھی۔ یہ عشق تھا یا جنون۔

نکاح سے ایک گھنٹہ پہلے زونیہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ ایمان کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ حاشر سے نکاح نہ کرے۔ زونیہ کا خیال تھا کہ ایمان اس سے وجہ پوچھے گی تو وہ حاشر سے اسے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی مگر خلاف توقع اس نے سرے سے کسی بات کا جواب ہی نہ دیا۔ زونیہ کو اک پل کے لیے یوں محسوس ہوا گویا وہ پتھر کا بے جان مجسمہ ہے یا پھر اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ ایمان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور آنکھیں گویا سرد جھیلیں' بالکل پتھریلی اور منجمد۔ ان آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں تھا۔ ان آنکھوں میں زندگی نہیں تھی۔ یہ ایک بے جان مورت کی آنکھیں تھیں۔

زونیہ کو اک پل کے لیے اس سے بے پناہ خوف محسوس ہوا اور اسی خوف کے زیر اثر وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

زونیہ جو چلا چلا کر اسے بتانا چاہتی تھی کہ حاشر تو اس کا محبوب تھا بلکہ ابھی تک اس کی محبت زونیہ کے دل میں موجود ہے۔

وہ ایمان کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ ابھی تک حاشر کو چاہتی ہے۔ ولید کی محبت نے اس کے دل پر اپنا تسلط نہیں جمایا۔ اس جاگیر پر ابھی تک حاشر کا نام لکھا ہے دل کی اس سلطنت کو ولید ابھی تک اپنے نام نہیں کر سکا۔

اس کا دل راکھ بن گیا تھا مگر اس میں سے ابھی تک کچھ چنگاریاں لمحہ بہ لمحہ دل کو روح کو سلگاتی رہتی تھیں۔

جس رات اس نے چلے جانا تھا اس رات ایمان کی بنجر آنکھوں سے سیلاب جاری ہو گئے۔ وہ سوچا کرتی تھی کہ شاید ان آنکھوں میں اب اک قطرہ آنسو کا نہیں بچا مگر اس پل اسے یقین ہو گیا تھا کہ عمار کی یاد اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر تو ٹھہری ہے۔ اس نے دیوانگی کے عالم میں کمرے کی اک اک چیز کو اٹھا کر چوما تھا۔ عمار کی کتابیں' فائلیں' کمپیوٹر' موبائل اور ڈریسنگ پر رکھے پرفیوم وہ ہر چیز کو جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ہر روز کی طرح بالکل معمول کے مطابق عمار کی وارڈ روب کھولی' پھر اس نے تمام استری شدہ کپڑے نکالے الماری کی ترتیب الٹ پلٹ کی اور پھر تین گھنٹے بعد اس الماری کو دوبارہ اس کی اصلی حالت میں لے آئی۔ عمار کی ٹائیاں' شرٹس اور رومال' جرابیں ترتیب سے رکھے۔ پھر شوز ریک کھول کر اس نے تمام پالش شدہ جوتوں کو دوبارہ رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ یہ کام وہ ہمیشہ رات کو کیا کرتی تھی اچھی طرح دروازہ لاک کر کے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ایمان نے نماز پڑھی۔ پھر بابا چلے آئے' وہ بابا کے سینے سے لگ کر بے تحاشا روتی رہی۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا بابا! آپ نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر کیوں ایمان کو مجبور کر دیا۔ آپ نے کیوں عمار کی قسم دے کر ایمان کے لبوں پر قفل لگا دیے۔

ایمان اس کمرے سے باہر نکلے گی تو مر جائے گی۔ بابا! میں کیسے سانس لوں گی' میں کیسے جی پاؤں گی۔ آپ کو کیا پتا بابا! اس کمرے میں عمار کی خوشبو رچی بسی ہے۔ وہ مجھے یہاں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔ وہ میرے ساتھ سوتا ہے۔ وہ مرا کب ہے' وہ زندہ ہے' عمار زندہ ہے۔ میری آنکھوں میں دیکھیں' یہ درد بھری آنکھیں کسی کو نظر کیوں نہیں آتیں۔ ان آنکھوں میں عمار کیوں نہیں نظر آتا کسی کو۔ امی تو ماں ہیں انہیں بھی ان آنکھوں میں عمار نظر نہیں آتا۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی اور بابا اس کا سر تھپکتے ہوئے صبر کی تلقین کر رہے تھے۔

"میں تم سے ملنے امریکہ آتا رہوں گا۔ حاشر نیویارک میں رہتا ہے۔ اٹلی میں اس نے کاروبار شروع کیا تھا مگر اس کے دوست نے کچھ فراڈ کے ساتھ پارٹنر شپ کو ختم کر دیا ہے۔" وہ اسے آہستہ آہستہ بہت سی باتیں سمجھا رہے تھے۔

"تمہاری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ میں اپنے رب سے تمہارے لیے ڈھیروں خوشیوں کی دعا کرتا ہوں۔ تم ہمیشہ میری دعا کے حصار میں رہو گی بیٹا کبھی خود کو تنہا مت سمجھنا اور نہ ہی میری طرف سے کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ دینا میں نے تمہارے لیے جو بہتر سمجھا اور جسے بہترین سمجھا اسے تمہارا ہمسفر بنا دیا۔ چلو آؤ فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے اور یہاں ان آنسوؤں کو ادھر ہی چھوڑ جاؤ۔ میں تمہیں آج کے بعد روتا کبھی نہ دیکھوں۔"

انابیہ بھابی بھی اس سے ملنے کمرے میں آئی تھیں۔ زونیہ نہ جانے کہاں تھی۔ امی اور آپی بھی نظر نہیں آئیں۔ وہ ان سے ملنا چاہتی تھی۔ جاتے سمے عباد بھائی اور ولید نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ علی' زین اور بچے بھی تھے۔

"تم لوگ راستے سے ہٹو تو میری باری آئے نا۔" وہ قریب ہی تو گنگنایا تھا۔

"کاش کہ میں تم دونوں سے پہلے دنیا میں آجاتا۔"

"کھامزا ہی کو زونیہ کے متعلق بتاؤ۔۔۔"

ولید نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا' وہ کہیں نہیں تھا بس اس کی آوازیں باقی رہ گئی تھیں۔ ولید نے نم آنکھوں سے ایمان کے چہرے پر پھیلے کرب کو دیکھا۔

"نہ جانے کس تکلیف سے گزر رہی ہے یہ بھلا عمار تمہیں کوئی بھول سکتا ہے۔" ولید نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ ولید کے کندھے سے سر ٹکائے بے آواز رونے لگی۔

"کچھ پلین میں بیٹھ کر رو لینا۔ ادھر سب رو کیں گے' وہاں تو کوئی روکنے والا نہیں ہو گا۔" بابا اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حاشر اس سین کو دیکھ کر بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"خبردار! جو تم نے ایمان کو رلایا۔ اگر یہ روئے تو اسے چپ کرانا' یہ نہ ہو کہ تماشا دیکھتے رہو۔" ولید نے اسے گھرکا تو وہ زیر لب مسکراتا رہا۔

"مجھے روتی ہوئی خواتین کو خاموش کروانے کا تجربہ تو نہیں مگر یہ بھی کر لیں گے۔"

"کچھ دن رہتے نا ہماری ٹریننگ میں' سب کچھ سکھا دیتا تھا۔" عباد بھائی بھی ماحول کی کثافت زائل کرنے کی غرض سے بولے۔

"اللہ حافظ بابا!" حاشر نے بچوں کو پیار کرنے کے بعد روتی ہوئی ایمان کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

* * *

نئی جگہ' نئے لوگ' اجنبی ماحول' اجنبی گھر' اجنبی ہم سفر کچھ بھی تو اس کے مزاج پر اثر انداز نہیں ہوا تھا۔ پاکستان سے وہ ایک چیز ہی تو اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ تھی بے حسی۔

ایک ہفتہ گزر گیا تھا اور اس پر پہلے جیسی خاموشی طاری تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ پہلے دن ہی حاشر پر واضح کر دے گی۔

"یہ صرف مجبوری کا بندھن ہے' یہ بابا کی خواہش ہے۔ میں اسے ساری زندگی نبھاؤں گی' میں اس

بندھن کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی مگر میں تمہاری بیوی نہیں بن سکتی۔ تم اپنے لیے کوئی اچھا سا ہم سفر ڈھونڈ لینا۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں' نہ امنگ' نہ جذبے' نہ محبت بھرا دل۔ میرے پاس صرف آنسو ہیں' غم ہیں' درد ہیں۔۔۔۔ زخم زخم دل ہے۔" وہ نہ جانے کب تک سوچوں میں گم رہتی حاشر کے تیز تیز بولنے کی آواز سن کر وہ باہر آگئی تھی۔ وہ کچن میں مصروف تھا اور شاید فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بولا۔

"یہ لو بابا سے بات کرو اور خبردار میری شکایت نہ کرنا۔" یہ تنبیہہ نہ جانے کیوں کی تھی۔ بھلا اس نے کیوں حاشر کی شکایت کرنا تھی جبکہ اسے فی الحال حاشر سے کوئی شکوہ بھی نہیں تھا۔ ابھی وہ بابا سے بات کر رہی تھی کہ ولید کا فون آگیا۔ جب وہ فون رکھ کر پلٹی تو حاشر نے آواز دی۔

"میں نے سمجھا کہ تم گونگی ہو مگر تمہاری آواز سن کر میں مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"مجھے بولنا آتا ہے مگر میرا بولنے کو دل نہیں کرتا۔" اس نے آزردگی سے سوچا۔

"تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟"

"ہوں۔۔۔" وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھی۔

"تو پھر میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو' چلو یہ چکن بنانے میں میری ہیلپ کرو۔ اتنے دن کی مہمان نوازی کافی نہیں۔" وہ انڈوں کو پھینٹتے ہوئے بولا تو وہ ناگواری چھپاتے ہوئے کوکنگ رینج کے قریب آگئی۔

"چکن کے سلائس پر نمک' مرچ پاؤڈر لگانے کے بعد پنیر کے سلائس بچھاؤ۔ اس پر مشروم رکھ کر اچھی طرح سے موڑ دو' میں آئل ڈال دیتا ہوں کڑاہی میں' تم انہیں انڈوں میں ڈپ کرنے کے بعد فرائی کر لینا۔ میں اتنے میں شاور لے آؤں۔" اسے ہدایات دینے کے بعد وہ کچن سے نکل گیا تھا۔ ایمان گہرا سانس کھینچ کر اس کے لیے مختصر سا لنچ تیار کرنے لگی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ نہا دھو کر آگیا تھا۔ اسے ہر کام جلدی جلدی کرنے کی عادت تھی۔ وہ بہت تیز بولتا تھا اکثر ایمان کو بات سمجھنے میں دقت ہوتی۔ کچن مختصر سا تھا اور اتنے چھوٹے کچن میں دو فریج پڑے تھے۔ ایک فریج لاک تھا جبکہ دوسرے میں کھانے پینے کا سامان بھرا ہوا تھا۔

"تم نے کچھ منگوانا تو نہیں۔" ایک ہاتھ میں رول پکڑے دوسرے میں پیپسی کا ٹن لیے اس نے ایمان سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ نمبر ہے میرا' اگر ضرورت پڑی تو رنگ کر دینا اور ہال روڈ کے دوسری طرف مارکیٹ ہے۔ کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی تو لے آنا۔" اب وہ جاگرز پہن رہا تھا۔ پھر اس نے جیکٹ اٹھائی اور اس کے قریب چلا آیا۔

"رات کو میں دیر سے آؤں گا' تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا۔ اکثر خواتین رات کے اندھیرے سے ڈرتی ہیں۔"

"نہیں' میری زندگی تو ہے ہی رات بھلا خوف کیوں آئے گا مجھے۔" ایمان نے محض نفی میں سر ہلاتے ہوئے سوچا۔

"اوکے' تم پھر دروازہ لاک کر لو۔" وہ اک نرم مسکان اچھالتا تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ ایمان تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ دروازہ لاک کر کے وہ اپنے بیڈ روم میں جانے کی بجائے لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے تنہائی میں اپنے ماضی کو سوچنا بہت پسند تھا۔ جب بھی وہ تنہا ہوتی ماضی کی گنی چنی خوشگوار باتیں اس کے ذہن پر دستک دینے لگتیں۔

عمار کے ساتھ منگنی اور نکاح کا درمیانی عرصہ' اس کی بے تحاشا محبت' اس کی خوب صورت باتیں۔ اس کی جذبے لٹاتی آنکھیں' ہمہ وقت ٹھہری لبوں کی مسکان۔ وہ کس قدر بھرپور نوجوان تھا۔ کس قدر خوب صورت شخصیت تھی اس کی۔

پھر اس کی نگاہوں کے سامنے اس کے پٹیوں سے جکڑا زخم زخم چہرہ آگیا۔ کتنا شدید ایکسیڈنٹ تھا۔ عمار نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ ذرا بھی اس کی پروا نہ کی' پلٹ کر نہ دیکھا۔ بس خاموشی سے بغیر کچھ کہے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا۔

وہ سیج پر بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہ گئی تھی۔ سرخ لہنگا' مہندی سے سجے ہاتھ' آنکھوں میں خوب صورت خواب لیے' ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے' انگ انگ سے پھوٹتی مہک میں نہ جانے خون کی بو کہاں سے آگئی تھی۔

دن ڈھل گیا تھا۔ رات غالب آ رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ گیارہ بجے کے قریب ڈور بیل گونج اٹھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ پیروں میں سلیپر اڑسے' دوپٹہ درست کر کے دروازہ کھولا۔

"میں جلدی آگیا ہوں' محض تمہاری خاطر۔ ایک دم ہی خیال گزرا کہ کہیں تم خوفزدہ نہ ہو اور کہیں تم پاکستان فون نہ کھڑکا دو کہ میں تمہیں اکیلا' تنہا گھر میں چھوڑ کر خود مارا مارا پھر رہا ہوں۔ حالانکہ جمیز اور جارج آنے نہیں دے رہے تھے اور ایان نے بہت مزے کا اسپگھٹی سوپ بنایا تھا اور میری جیت کی خوشی میں وہ ڈنر دینے کے لیے بھی تیار تھی جبکہ میں گیم کو بالکل اختتام پر چھوڑ کر آگیا ہوں حالانکہ "کرلنگ" کا ایک راؤنڈ اور فائنل راؤنڈ باقی تھا۔ اگلے سنڈے تمہیں بھی لے کر جاؤں گا۔ بڑا انٹرسٹنگ کھیل ہے۔ تم نے کچھ پکایا ہے تو دے دو مجھے بہت سخت بھوک لگی ہے۔" تیز تیز بولتے ہوئے اس نے جیکٹ اتار کر صوفے پر پھینکی اور خود کارپٹ پر لیٹ گیا۔ ایمان کو پشیمانی نے گھیر لیا۔ اس نے تو کچھ بھی نہیں پکایا تھا۔ شاید وہ بھی اسی لیے کچھ لے کر نہیں آیا تھا کہ ایمان نے کچھ نہ کچھ پکا لیا ہو گا۔

وہ تیزی سے کچن کی طرف آگئی تھی۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے فرائیڈ رائس بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ جلدی جلدی چاول نکال کر صاف کیے۔ چکن دھویا۔ پیاز کاٹی اور آلوؤں کے چھوٹے چھوٹے پیس کیے۔ اس دوران غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ بار بار حاشر کی طرف اٹھ رہی تھی۔ وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی کچن میں چلا آیا۔

"کیا بنا رہی ہو اور کب تک بنے گا۔"

"فرائیڈ رائس ود چکن' آپ پلیز جائیں میں ابھی لا رہی ہوں۔"

"اتنے پیار اور نرمی سے کہہ رہی ہو' اسی لیے میں رک جاتا ہوں' کہو تو کچھ ہیلپ کروا دوں۔" اس کے التجائیہ لب و لہجے نے حاشر کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"نہیں بس میں نے کھانا ریڈی کر لیا ہے۔"

"سوچ لو' ابھی کھانے کے بعد برتن بھی دھونے پڑیں گے۔ کچن بھی سمیٹنا ہو گا۔ تم تھک جاؤ گی' میں تمہاری ہیلپ کروا دیتا ہوں۔"

"میں اتنے معمولی کاموں سے تھکن محسوس نہیں کرتی۔ پاکستان میں آپ کے گھر میں اس سے زیادہ کام کرتی تھی۔" ایمان نے چکن کو کرسٹل کے باؤل میں نکالتے ہوئے کہا۔

"تم بہت کم گو ہو۔۔۔" اتنے دنوں بعد اس کی زبان سے چند لفظ ادا ہوئے تھے۔ اسے تو خود اپنے بولنے پر حیرت ہو رہی تھی۔ ایمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں یہ برتن ٹیبل پر رکھتا ہوں۔" حاشر نے گلاس چمچے اور پلیٹس اٹھائیں پھر فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی۔

"تم کھانا نہیں کھاؤ گی۔" وہ کھانا لگا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی جب حاشر کی آواز سنائی دی۔

"میں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھاتی ہوں۔"

"آج پہلے کھا لو۔"

"میری یہی روٹین ہے۔"

"کبھی کبھی روٹین بدل دینی چاہیے۔ مزاج پر اچھا اثر پڑتا ہے۔"

"میں اپنی عادت نہیں بدل سکتی۔" اس نے سوچا کہا نہیں۔

"آجاؤ شاباش' پہلے کھانا کھا لو۔ ویسے تم اچھا کھانا بناتی ہو۔" حاشر نے فرائیڈ رائس کھاتے ہوئے بے ساختہ تعریف کی۔ ایمان بغیر کچھ کہے کرسی گھسیٹ کر

بیٹھ گئی تھی۔ بحث کرنا اسے پسند نہیں تھا۔

"جب دو افراد بیٹھے ہوں تو انہیں کچھ نہ کچھ بولنا چاہیے۔" حاشر نے اس کی پلیٹ میں مزید چکن ڈالی۔

"میں زیادہ نہیں بولتی۔"

"زیادہ نہیں، لیکن ضرورت کے مطابق بولنا چاہیے۔" حاشر نے اپنا کولڈ ڈرنک والا گلاس اس کی طرف کھسکا دیا۔ وہ محض چاولوں میں چمچہ گھما رہی تھی۔

"عمار تو بہت باتونی تھا۔" وہ اپنے ہی دھیان میں مگن کہہ رہا تھا۔ ایمان کا ہاتھ اک پل کے لیے ساکت رہ گیا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی پہلی مرتبہ حاشر کے منہ سے عمار کا ذکر سنا تھا۔

"اکثر عمار تمہارا ذکر کرتا تھا۔ اسی لیے میں جانتا ہوں کہ تم اتنی خاموش طبع نہیں ہو۔" ایمان نے ٹھٹک کر حاشر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"وہ تم سے بہت محبت کرتا تھا۔" اس نے ایک دم ہی ایمان کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ بے ساختہ سر جھکا گئی۔

"تم بھی عمار سے بہت محبت کرتی تھیں نا۔"

"میں اس سے محبت کرتی ہوں۔" ایمان نے پہلی مرتبہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ کبھی حاشر، عمار کو ڈسکس کرے۔ وہ اپنے اور عمار کے متعلق کچھ بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھی۔ حاشر کچھ پل نہ جانے کیا سوچتا رہا پھر اٹھتے ہوئے اچانک بولا۔

"محبت میں بہت وسعت ہے۔ یہ صرف ایک فرد تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔"

* * *

منڈے کو حاشر کے چلے جانے کے بعد وہ معمول کے مطابق صفائی کر رہی تھی جب ڈور بیل بجی۔ ایمان نے دروازہ کھولا تو سامنے بہت ہی خوب صورت انگریز لڑکی کھڑی تھی۔

"کس سے ملنا ہے؟"

"تم سے۔" بڑی نرم کھنکھناتی آواز میں کہا گیا۔

"کون ہو تم؟"

"اندر تو آنے دو بتاتی ہوں کہ کون ہوں میں۔" وہ مسکان لبوں پر سجائے خود ہی اندر آ کر صوفے پر بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

"میرا نام اینا ہے۔ میں حاشر کی یونی ورسٹی فیلو اور بہت پرانی دوست ہوں۔"

"حاشر نے کبھی بتایا نہیں۔" ایمان نے کچھ تو کہنا تھا۔

"تم نے کبھی پوچھا نہیں ہو گا۔ ویسے بیویوں کو دلچسپی لینی چاہیے۔ شوہروں کے جاننے والوں میں کون کون ہے۔" وہ ایک مرتبہ پھر مسکرائی۔

"میں تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں۔"

"ہاں، ضرور میں کافی پیوں گی۔"

"کافی بے تکلف دوست ہے۔" ایمان نے کافی بناتے ہوئے سوچا۔ پھر ٹرالی میں چند لوازمات سجا کر لے آئی۔

"ای من! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہم لوگ مہمانوں کی خاطر مدارات اسی طرح کرتے ہیں۔" ایمان کو بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔

"کیا کرتی ہو تم؟"

"مجھے کرلنگ کی بہترین کھلاڑی سمجھا جاتا ہے۔ مجھے اسپورٹس سے بہت دلچسپی ہے۔ لیکن میں جاب کی وجہ سے کھیل کو پروفیشن نہیں بنا سکتی۔ آج میں نے آفس سے چھٹی کی ہے۔ صرف تم سے ملنے کے لیے۔ سنڈے کو ہمارا فائنل ہے، تم حاشر کے ساتھ ضرور آنا۔"

"میں آؤں گی۔" اس کا خلوص دیکھ کر ایمان نے ہامی بھرلی۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اینا نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر اجازت طلب کی۔

"کچھ دیر اور بیٹھو۔"

"نہیں اب میں چلوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

رات کو جب وہ کھانا ٹیبل پر لگا کر اپنے کمرے میں نماز پڑھنے کی غرض سے گئی اسی پل حاشر کھٹاک سے دروازہ کھولے اندر چلا آیا۔ ایمان کو حاشر کا یوں ناک کیے بغیر اندر آنا سخت برا لگا تھا۔

"کسی کے کمرے میں بغیر اجازت کے نہیں آنا چاہیے۔"

"میں کسی کے کمرے میں نہیں ایمان کے کمرے میں آیا ہوں۔" حاشر نے لاپروائی سے کہتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"میں آپ کی لگتی کیا ہوں۔" ایمان کی بھنویں تن گئیں۔

"ویری انٹرسٹنگ کونسچن۔۔۔" حاشر نے دلچسپی سے ایمان کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ تم بابا سے پوچھنا کہ کیا لگتی ہو میری۔۔۔ ویسے ساڑھے تین مہینے سے کس حیثیت سے رہ رہی ہو میرے ساتھ۔"

"میں آپ کو اپنا شوہر تسلیم نہیں کرتی۔" اس نے سوچ لیا تھا کہ ابھی اور اسی وقت حاشر پر واضح کر دے تاکہ کل کو وہ بحیثیت شوہر کے اس سے کسی بھی قسم کا تقاضا نہ کر سکے۔

"مگر میں تمہیں اپنی بیوی سمجھتا ہوں۔ عملی طور پر مظاہرہ اس لیے نہیں کیا کہ میں تمہیں وقت دینا چاہتا تھا تاکہ تم اس جذباتی دھچکے سے سنبھل سکو۔ تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہیے۔"

"میں آپ پر واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ مجھے اس رشتے سے نہ کوئی دلچسپی ہے نہ چاہ، آپ اپنا من پسند لائف پارٹنر چن لیں۔ کسی بھی لڑکی سے شادی کر لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر اس کے ساتھ ساتھ میں اس کاغذی رشتے کو بھی برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔" وہ تو پہلے سے ہی اس موقع کی تلاش میں تھی کہ کب یہ ذکر چھڑے اور وہ حاشر پر اپنا موقف واضح کر دے۔

"بہت خوب، آپ نے بالا ہی بالا تمام فیصلے کر لیے۔ حتی کہ مجھے شادی کا اجازت نامہ بھی سنا دیا۔ زبردست، میں تمہاری عمدہ سوچ کی داد دیتا ہوں۔" وہ مسلسل اسے سراہتے ہوئے اک پل کے لیے رکا اور پھر بولا۔

"ایمان! رشتے ناتے کچے دھاگے نہیں ہوتے جنہیں پل میں جوڑ لیا جائے یا توڑ دیا جائے۔ تم نہیں جانتیں اس نکاح کے بعد مجھے کس کس کی اور کیا کیا باتیں سننا پڑی ہیں اور مزید میں کسی کو خود پر انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتا اسی۔۔۔"

"ہاں تو اسی لیے میں آپ کو دوسری شادی کی بخوشی اجازت دیتی ہوں تاکہ آپ سے منسلک لوگ خوش ہو سکیں۔" ایمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں اپنے فیصلوں میں کسی کی رائے کی اہمیت رکھتا ہوں۔ تم سے نکاح اگرچہ بابا کی خواہش تھی مگر مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا۔"

"بہرحال میری زندگی میں مزید کسی رشتے کی جگہ نہیں، نہ ہی میں رشتوں کے بوجھ اٹھا سکتی ہوں۔" ایمان کا انداز ہنوز ضدی تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو کھل کر کہو۔" حاشر نے اطمینان سے کہا اگرچہ وہ جان چکا تھا کہ ایمان اس سے کیا چاہتی ہے۔

"میں۔۔۔ میں اس رشتے کو محض کاغذی حد تک محدود رکھنا چاہتی ہوں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تو حاشر مسکرا اٹھا۔ نہ جانے یہ مسکراہٹ طنزیہ تھی یا اس کی بچکانہ سی بات پر وہ مسکرایا تھا تاہم ایمان سمجھ نہ سکی۔

"محض پیپر میرج، تو مجھے یہ معاہدہ منظور نہیں۔ تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو اور خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ زندگی بار بار مہربان نہیں ہوتی اور اگر مجھے تمہارے ساتھ پیپر میرج ہی کرنا تھی تو مجھ سا الو کا پٹھا کوئی ہو نہیں سکتا۔" وہ خود کو خوب خوب کوس رہا تھا۔ ایمان جھنجلا سی گئی۔

"آپ میری بات نہیں سمجھ رہے۔ میں آپ کو

بھلا کیا دے سکتی ہوں۔ میرا دل بنجر ہو چکا ہے۔ میری آنکھیں ویران ہیں اب یہ کوئی بھی خواب بننے کے قابل نہیں۔ نہ جذبے ہیں نہ امنگیں ہیں جو کہ نئی شادی کی ابتدا میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ نئی زندگی کی شروعات کے لیے میرے پاس فقط دل کے زخموں اور آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں۔"

"بنجر زمینوں پر جب ابر رحمت برستا ہے تو وہ خود بخود نرم ہو جاتی ہیں اور رہی خواب سجانے کی بات تو خواب بننے میں کون سی دیر لگتی ہے۔ بس کسی خوب صورت شخصیت کو سوچنے کی دیر ہے اور دل کے زخم بھی آہستہ آہستہ سل جائیں گے اور رہے آنسو تو کبھی کبھار رو لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔" اس نے تو گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔ ایمان غصے سے تنتناتی واش روم میں گھس گئی۔ جب وہ وضو کرنے کے بعد باہر نکلی تو حاشر کو ابھی تک کمرے میں موجود پا کر بھنا اٹھی۔

"آپ ابھی تک گئے نہیں۔"

"نہیں۔" بہت اطمینان کے ساتھ کہا گیا تھا۔

"میں نماز پڑھنا چاہ رہی ہوں۔"

"تو پڑھو میں تمہیں روک تو نہیں رہا..... بلکہ میرے لیے بھی نماز پڑھ کے دعا کرنا۔" اس نے مزے سے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی تھی۔ ایمان کچھ پل سوچتی رہی اور پھر نماز کی نیت کر لی۔ آدھے گھنٹے بعد جب وہ دعا مانگ کر جائے نماز سمیٹ رہی تھی تب اس نے حاشر کی آواز سنی۔

"میرے لیے تو دعا نہیں کی تم نے۔"

"میں نے سب کے لیے دعا کی ہے' یہی میرا معمول ہے۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"میں سب کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔" حاشر اسے مزید بولنے پر اکسا رہا تھا۔ جس میں کسی حد تک کامیابی ہو رہی تھی۔

"آپ بھی سب میں شامل ہیں۔"

"کیا دعا مانگی ہے میرے لیے۔"

"آپ پلیز جائیں' مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تو سو جاؤ....." وہ مسکرایا۔

"میں باہر چلی جاتی ہوں۔" ایمان زچ ہو اٹھی تھی۔ حاشر مسلسل مسکراتا رہا اور پھر بولا۔

"کیا آج اپا آئی تھی۔"

"ہاں۔" ایمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں یہی پوچھنے کے لیے تو آیا تھا۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے گڈ نائٹ بولتا باہر نکل گیا جبکہ ایمان بند دروازے کو گھورتی رہ گئی۔

* * *

مہر بیگم نے اسے فون کیا تھا۔ تھی نا حیرت کی بات وہ تو خود ابھی تک شاک کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ ایسا بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔ مہر بیگم اور اس جیسی منحوس' سبز قدم' بدبخت' لڑکی سے بات کریں جو کہ اتنی بدنصیب تھی جس کا شوہر شادی کی پہلی رات ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔

بھلا ان تین چار مہینوں میں یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے۔ وہ حیران بھی تھی' ششدر بھی۔ ان کا لہجہ بے حد نرم تھا اور انداز بھی بالکل پہلے سے برعکس۔ اتنی محبت' اس قدر حلاوت سے بات کر رہی تھیں کہ ایمان بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

ایمان کو آج سے چند ماہ پہلے والا ان کا رویہ یاد آیا تو وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔

اسے اپنی عزت نفس اور روح پر لگے گھاؤ کیسے بھول سکتے تھے۔ وہ ان کی نفرت کو کیسے بھلا سکتی تھی۔ وہ نفرت' جو بغیر کسی وجہ کے اس کے حصے میں آئی تھی۔ انہوں نے تو کبھی یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کے بہت پیارے بیٹے کی پسند ہے جسے وہ بیاہ کر لانے کے محض چند گھنٹے بعد بے آسرا چھوڑ گیا ہے۔

وہ اس کے ہاتھ کا پکا کھانا کھا لیتی تھیں مگر اسے اپنے ساتھ بٹھانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ سب نے اسے اچھوت سمجھ رکھا تھا گویا اسے کوئی موذی بیماری ہے۔ انابیہ بھابھی' زونیہ اور آمنہ آپی اس کے قریب بیٹھنے سے گریز کرتی تھیں۔ وہ تو سہاگنیں تھیں کیونکر ایک ابھاگن کے قریب بیٹھتیں۔ گویا انہیں ایمان کے جراثیم لگ جانے کا خدشہ تھا۔ اس نے زندگی کے دو سال ان سب کی نفرت کے ساتھ گزار دیے۔ اس نازک وقت میں تو اسے ان سب کی ہمدردی اور دلاسوں کی ضرورت تھی مگر اس گھر میں سوائے ذلتوں' نفرتوں کے اسے کچھ نہیں ملا تھا۔

اور اب محض چند ماہ میں نہ جانے کون سا طلسم پھونکا گیا تھا کہ امی جان کا رویہ اس حد تک بدل گیا۔ تقریباً" ایک گھنٹہ انہوں نے اس سے فون پر بات کی تھی۔ اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ بابا جدہ چلے گئے ہیں۔

وہ بہت رنجیدہ ہو گئی تھی بابا نے تو وعدہ کیا تھا کہ وہ اس دفعہ ایمان کو ساتھ لے کر جائیں گے مگر اس دفعہ بھی وہ تنہا ہی چلے گئے تھے۔

"میں آؤں گی تمہارے پاس کچھ دنوں کے لیے۔" فون بند کرنے سے پہلے انہوں نے آخری بات یہی کی تھی۔ ایمان کو حیرتوں کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ کچھ پل وہ یوں ہی ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑی رہی پھر اس کے ہاتھ ایک اور نمبر ڈائل کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد کسی ملازمہ ٹائپ لڑکی نے فون اٹھایا۔ ایمان کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تو کیا بھابھی نے کام والی رکھ لی ہے۔" ایمان کے دل میں اک تیر پیوست ہو کر رہ گیا تھا۔ اب کیا بھیا ملازمہ افورڈ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔

"کب سے یہاں کام کر رہی ہو؟"

"جی تیسرا مہینہ ہے۔"

"کیا کام کرتی ہو؟"

"سارے کام کرتی ہوں' کپڑے دھوتی ہوں' استری کرتی ہوں' بہترین کھانا پکانے میں بھی ماہر ہوں۔ دیکھیں تو ذرا میں نے گھر کو کیسے لشکا دیا ہے۔" وہ کافی باتونی لڑکی تھی۔ ایمان نے گہرا سانس کھینچ کر بھابھی اور بچوں کا پوچھا۔ کچھ ہی دیر بعد ریسیور حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر ہبہ نے فون چھین لیا۔ پیچھے سے حماد کی ریں ریں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ بھی پھوپھو سے بات کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

"پھوپھو! میرے لیے چاکلیٹس اور کینڈیز لانا۔" حماد کی توتلی آواز سنائی دی۔ پھر ہبہ نے گڑیا اور گڑیا گھر لانے کی فرمائش کر دی۔

"پھوپھو! میرے لیے ڈول لانا' بلیو آئز والی اور ساتھ ڈول ہاؤس بھی' جس میں ڈول کا بیڈ روم اور کچن بھی ہو۔"

"مجھے میوزیکل باکس چاہیے اور بڑے بڑے کارٹونز والے بیگ بھی۔" حمزہ نے بھی اپنی پسند بتائی۔ اس نے سب کی فرمائشیں نوٹ کر لی تھیں۔ بچوں سے بات کر کے وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں بھابھی آ گئیں۔ کافی دیر اس سے باتیں کرتی رہیں۔ کرید کرید کر حاشر کے رویے کے بارے میں پوچھتی رہیں۔ ایمان نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

"تو کیا میں ان سب کی نگاہوں میں پھر سے معتبر ہو گئی ہوں۔"

اس نے بے دلی سے فون رکھ دیا تھا۔ کافی دیر وہ غائب دماغی کے عالم میں بیٹھی رہی پھر کچن کی طرف آ گئی۔ ہمیشہ کی طرح اس کی نگاہ لاکڈ فریج پر پڑی تھی۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے لسٹ اور ہینڈ بیگ اٹھائے دروازہ لاک کر کے باہر نکل آئی۔ اس نے کچن کی ضروری اشیاء خریدنی تھیں۔ وہ پہلی مرتبہ گھر سے باہر نکلی تھی اسی لیے قدرے حیرانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسی پل اسے دائیں جانب سے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اشارے سے اسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ ایمان تھوڑی دیر سوچتی رہی اور پھر آواز کی سمت چل پڑی۔ وہ گلاس ونڈو کھولے سر باہر نکالے اسے داخلی دروازے کا بتا رہا تھا۔ ایمان اس کی بات نظر انداز کر کے کھڑکی کی طرف آ گئی۔

"تم مارکیٹ جا رہی ہو' میری بھی کچھ چیزیں لا دینا۔ دیکھو' انکار مت کرنا۔ میرا دودھ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ بریڈ بھی نہیں' انڈے بھی ندارد ہیں۔ میں صبح سے بھوکا بیٹھا ہوں۔ ابھی میں نے دوائی بھی کھانی ہے۔ پلیز یہ چیزیں لا دو۔" وہ بہت التجائیہ لب و لہجے میں کہہ رہا

تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر ایمان کو ترس آگیا۔

"مسز ڈنگ ـــــ نے آج پھر چھٹی کرلی ہے اور میں صبح سے ادھر بیٹھا اسی کو کوس رہا ہوں۔"

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے مجھے تو آپ پاکستانی لگتی ہیں۔" اب کے اس نے بڑی رواں اردو میں پوچھا تھا۔

ایمان اثبات میں سر ہلا کر اس کے ہاتھ سے پیسے اور لسٹ پکڑ کر روڈ کراس کرنے کے بعد مارکیٹ کی طرف آگئی۔ اپنی چند ضروری چیزیں خریدنے کے بعد جوں ہی ایمان نے اس اجنبی کی لسٹ کو بغور پڑھا تو وہ چکرا کر رہ گئی۔

اس بے چارے کا تو تقریباً" کچن کا سارا راشن ہی ختم تھا۔ کچھ کوفت تو ہوئی اتنا سامان خریدنے کا سوچ کر مگر اس کی ازلی ہمدرد طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ وہ اس بے چارے کو مایوس کردیتی۔ آدھ گھنٹہ تو اسے چیزیں خریدنے میں لگا تھا۔ اور پھر اس کے گھر تک پہنچتے پہنچتے ایمان کا ہمدردی کا بخار اتر گیا۔ اس شدید سردی میں بھی وہ پسینے پسینے ہوگئی تھی۔ وہ کھڑکی میں موجود نہیں تھا۔ مارے کوفت کے اس کا برا حال ہوگیا۔ مجبوراً" اسے داخلی دروازے تک آنا پڑا۔ ماتھے پر بل ڈالے چہرے پر ناگواری اور غصہ سجائے اس نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔

ایمان غصے سے بھناتے ہوئے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اس کی نگاہیں وہیل چیئر پر پڑیں اس کا تمام غصہ، کوفت اور جھنجلاہٹ پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گئی۔ وہ ایمان کا بہت شکر گزار ہو رہا تھا۔ بہت مرتبہ اس نے ایمان کا شکریہ ادا کیا۔

"کوئی بات نہیں میں نے کون سا پہاڑ سر کیا ہے۔ بس مارکیٹ تک تو گئی ہوں۔"

"یہ کام پہاڑ سر کرنے کے ہی برابر ہے۔ ہر کوئی آپ کی طرح نہیں سوچتا۔ میں صبح سات بجے سے اس کھڑکی میں بیٹھا ہوں اور تقریباً" بیس لوگوں کی گالیاں اور کوسنے سنے ہیں میں نے۔ ان میں تین چار لوگ تو میرے جاننے والے تھے ایک میرا پڑوسی تھا جبکہ ایک جمعدار تھا جو کہ ڈرم سے کوڑا اٹھانے آیا تھا میں نے اس سے بھی یہی التجا کی تھی جواباً" اس نے مجھے خوب گھورا اور کہا کہ اپنی ٹانگیں ٹوٹی ہیں۔ خود جا کرلے آؤ۔ مجھے شدید غصے کے ساتھ بے حد ہنسی بھی آگئی۔ اب میں اسے اپنی ٹوٹی ٹانگیں دکھاتا کیسے۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑے مزاحیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اوکے' اب میں چلتی ہوں۔ مجھے ابھی جا کر لنچ تیار کرنا ہے۔"

"نہیں' آپ چائے پی کر جائیں گی۔ دیکھیے میں ابھی دو منٹ میں بنا کر لاتا ہوں۔"

"پلیز' اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" ایمان نے التجائیہ انداز میں کہا تو اس نے وہیل چیئر کا رخ موڑ لیا۔

"آپ اس لیے چائے نہیں پی رہیں کہ مجھے اپنے لنچ میں سے کچھ حصہ نہ دینا پڑا۔"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" ایمان گڑبڑا سی گئی۔

"ٹھیک ہے میں آپ سے لنچ نہیں مانگوں گا مگر آپ چائے تو پی لیں۔" اس کے بے پناہ اصرار پر مجبوراً" ایمان کو چائے پینی پڑی۔ جب تک وہ چائے بناتا رہا ایمان اس کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ بائیس تیئس سال کا بھرپور نوجوان' وہیل چیئر پر بیٹھا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ گندمی رنگت اور کھڑے کھڑے نقوش تھے اس کے۔ بلاشبہ وہ کافی وجیہہ تھا۔ ایمان کو فطری سا دکھ محسوس ہوا تھا اس کی معذوری کا سوچ کر۔

چائے پینے کے بعد وہ اٹھنے لگی تھی جب وہ بے ساختہ بولا۔

"اپنی ملازمہ کے ہاتھ میرے لیے لنچ میں سے بچا کھچا حصہ بھیج دیجیے گا۔ اللہ کی قسم وہیل چیئر پر بیٹھا دعائیں دوں گا۔"

"مگر میرے گھر تو ملازمہ نہیں ہے۔" ایمان اس کی معصومیت بھری بے تکلفی پر مسکرا اٹھی تھی۔

"تو کیا آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔"

"نہیں' اپنے ہزبینڈ کے ساتھ۔"

"اچھا تو آپ کے ہزبینڈ کس مزاج کے ہیں؟"

"وہ کیسے بھی مزاج کے کیوں نہ ہوں' آپ کو لنچ دینے تو نہیں آئیں گے۔" ایمان نے مسکان دباتے ہوئے کہا۔

"اوکے تھینکس اگین۔"

"میں تمہارے لیے بھی لنچ میں حصہ رکھوں گی۔" ایمان نے جاتے جاتے پلٹ کر کہا تو اس کے لبوں پر ویسی ہی معصومیت بھری مسکان ابھر آئی۔

* * *

"دو منٹ' میں ریڈی ہو جاؤں' اینا تمہیں بہت اصرار سے بلا رہی ہے۔ میں نے سوچا تم بھی گھوم پھر آؤ۔ ذرا مزاج پر اچھا اثر پڑے گا۔"

ایمان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوراً" جانا پڑا۔ دو جرسیاں ایک موٹا لانگ کوٹ اور شال کے باوجود تاحد نگاہ پھیلی برف کو دیکھ کر ہی اسے شدید سردی لگنے لگی تھی۔

اس بڑے سے برف سے ڈھکے میدان میں بہت رش تھا۔ بڑے تو بڑے بچے بھی اس دلچسپ کھیل کو دیکھنے کے لیے اسے ٹھٹھرا دینے والی ٹھنڈ میں آئے ہوئے تھے۔ اینا نے اسے دیکھتے ـــــ ہی ہاتھ ہلا کر اپنی طرف بلایا۔ پھر تیزی سے برف پر پھسلتی ہوئی اس تک آگئی۔

"میں نے سوچا تم کہیں گر نہ جاؤ۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے ایک پرسکون گوشے کی طرف گئی۔ اسی پل جارج اور جیمز بھی ہاتھ میں بڑے بڑے کافی کے مگ پکڑے آگئے۔

وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ آوازیں تھیں' شور تھا قہقہے اور مسکراہٹیں تھیں۔

"کاش کہ ہمارے درمیان عامر بھی ہوتا۔" اینا کے کہنے پر ایک دم ہی ماحول پر افسردگی سی چھا گئی۔ جارج اور جیمز دونوں ہی رنجیدہ ہوگئے تھے۔ جیمز' جارج سے کہہ رہا تھا۔

"عامر نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا' لڑائی تو عاشر کے ساتھ تھی جبکہ اس نے ہمارے ساتھ بھی تمام تعلق توڑ لیے ہیں۔"

"عامر کو کروکوئٹ کا کھیل کس قدر پسند تھا۔ ہم آخری مرتبہ فرانس میں اکٹھے ہوئے تھے "کروکوئٹ" کا فائنل میچ دیکھنے کے لیے۔" اینا کی آنکھیں نہ جانے کیوں نم ہو رہی تھیں۔

"اسے مختلف ممالک کی کرنسی جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے فرنچ فرانک' کونا' کولون' ریڈ جسٹلڈ خوانجا' اسپٹ کہبنین ڈالر' اسکیوڈو' لیرا اور ملاگاسی فرانک کے علاوہ نہ جانے کتنے ممالک کی کرنسی جمع کر رکھی تھی جو کہ اس بے غیرت ناصر اور اس کی بہن نے چوری کرلی۔" جیمز تنفر سے کہہ رہا تھا۔

"یاد ہے تمہیں اسی برف سے ڈھکے میدان میں عاشر اور عامر نے "برج" کھیلا تھا اور ہمیشہ کی طرح عاشر جیت گیا تھا اور عامر آکشن برج اور کنٹریکٹ برج دونوں میں بری طرح ہارنے کے بعد برف پر لیٹ گیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے کیسے زبردستی اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا۔ نہ جانے اتنا اچھا وقت جلدی کیوں بیت گیا ہے۔" اینا کی سبز آنکھوں کے کونے بھیگتے جا رہے تھے۔ ایمان نے بغور اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلے حزن و کرب کو دیکھا ایک دم ہی اس پر انکشاف ہوا تھا۔

"تو کیا اینا بھی محبت کے مرض میں مبتلا ہے۔"

کچھ ہی دیر بعد کرلنگ کا کھیل شروع ہو گیا۔ سب لوگوں کی توجہ کھیل کی طرف مبذول ہو گئی۔ اینا اسے کرلنگ کے رولز کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

"**ہکچو** گلی یہ اسکاٹ لینڈ کا قومی کھیل ہے اور برف پر پتھروں سے کھیلا جاتا ہے۔ اس میں صرف دو مخالف ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ اور ٹیم کے کھلاڑیوں کی تعداد صرف چار ہوتی ہے۔ عاشر لوگ فائنل میں حصہ نہیں لیں گے۔ ان کا چوتھا ساتھی طبیعت کی خرابی کے باعث آ نہیں سکا۔ اسی لیے تو جارج اور جیمز کے منہ لٹکے ہوئے ہیں۔"

"تم کیا میری بیوی کو غلط سلط پٹیاں پڑھا رہی ہو۔" عاشر ایمان کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا تو اینا

نے منہ بنالیا۔

"تمہاری برائیاں کر رہی ہوں۔ یہ بتا رہی ہوں اسے کہ تم کتنے خراب ہو۔"

"اسے پتا ہے کہ میں کتنا اچھا، نیک اور شریف ہوں۔" عاشر نے بہت معنی خیزی سے کہا تھا۔ ایمان نے نگاہیں چرالیں۔

"بہت بورنگ کھیل ہے چلو، جیمز کی جیب ہلکی کرواتے ہیں۔ عاشر کی شادی کی خوشی میں۔" جارج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر بعد جیمز اور جارج کھانے کی ٹرے اٹھائے چلے آئے۔ یہ ایک خوب صورت شام تھی، جس کا اختتام بھی بہت خوشگوار تھا۔ واپسی پر ایمان کا موڈ خود بخود تبدیل ہو گیا۔

گھر آکر اس نے خود کو ان بھاری کپڑوں سے آزاد کیا اور پھر گرما گرم چائے بنالائی۔ عاشر ٹی وی آن کیے کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا۔ چائے ہاتھ میں لے کر بولا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے چائے کی طلب محسوس ہو رہی ہے۔"

"میں نے اپنے لیے بنائی تھی، سوچا آپ کو بھی دے دوں۔" ایمان نے اس کی غلط فہمی رفع کرنا چاہی۔

"کبھی تو چند منٹوں کے لیے خوش ہو جانے دیا کرو۔"

"میں آپ کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ہرگز نہیں ہوں۔" وہ بات کو کسی اور رخ کی طرف لے گئی تھی۔ عاشر نے سنجیدگی سے سر ہلایا اور بولا۔

"تم میری خوشیوں اور سکون کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ رکاوٹ کا عظیم پہاڑ ہو۔ جسے سر کرنا اتنا بھی ناممکن نہیں۔ میں تو بس تمہیں تمہاری خوشی اور دلی رضامندی سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" ایمان اس کی اس درجہ بے باکی پر کٹ کر رہ گئی تھی۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ انہیں آزاد فضاؤں کا باسی ہے۔

"تم مجھے کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے، سنا تم نے۔" ایمان کا لہجہ ایک دم ہی کرخت اور آواز بلند ہو گئی تھی۔

"میں ایک منٹ میں تمہیں بے بس کر سکتا ہوں، چڑیا جتنی تو ہو تم اور اکڑتی ایسے ہو گویا پوری ویٹ لفٹر کسٹینا ہو۔" عاشر نے انتہائی سختی سے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ چلا اٹھی۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔"

"کیا کر لوگی تم؟" عاشر نے چیلنجنگ انداز میں ایمان کی طرف دیکھا تو وہ تنفر سے بولی۔

"یا تمہیں مار دوں گی یا خود مر جاؤں گی۔"

"مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھ پر مرمٹو، تمہاری قبر کے کتبے پر "محبت کی دیوی" سنہری حرفوں میں لکھواؤں گا۔" اس نے واضح ایمان کا مذاق اڑایا تھا۔ وہ چائے ٹیبل پر رکھ کر اس سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ عاشر نے محض شرارت میں اس کے اور اپنے درمیان فاصلے کو پاٹ کر اس کے گرد بازو دراز کر کے سختی سے دباؤ ڈالا تو وہ غصے کے عالم میں محض پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"مجھے چھوڑو۔"

"اگر نہ چھوڑوں تو۔"

"میں تمہیں کاٹ لوں گی۔" وہ نفرت سے چلائی۔

"تم کیا کٹ کھنی بلی ہو جو کاٹ لوگی۔ یا پھر میرے ویلم میک جتنا زہر ہے تم میں پھر تو مجھے پیٹ میں ایسے ٹیکے لگوانے پڑیں گے۔" وہ اسے مزید چڑا رہا تھا جبکہ ایمان اس وقت ذہنی اور جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو رہی تھیں۔ بس غصے کا اک غبار تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"اگر اپنے نفس کی پیاس بجھانی ہے تو تمہارے لیے عورتوں کی بھلا کیا کمی، اینا اور اینا جیسی کئی تمہارے قدموں میں رہتی ہیں صبح شام۔"

"بکواس بند کرو۔۔۔" عاشر نے پہلی مرتبہ چلا کر کہا تھا۔ وہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا حالانکہ اس لمحے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ مار مار کر اسے لہولہان کر دے مگر اس نے ضبط کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ اسے زوردار دھکا دے کر وہ غصے سے بھناتا اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا جبکہ ایمان پھٹی پھٹی نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

* * *

"تم نے اینا کے متعلق بہت غلط اندازہ لگایا ہے۔ تم نے اینا کو عورتوں کی کس کیٹگری میں شمار کر رکھا ہے جارج اور جیمز میرے یونیورسٹی کے زمانے کے دوست ہیں جبکہ اینا اور عامر کو تو میں ان دونوں کے بچپن سے جانتا ہوں۔ عامر کے والد میرے پاپا کے بہترین دوست تھے۔ ابوظہبی میں ہم نے ایک طویل عرصہ اکٹھے گزارا ہے جبکہ اینا بھی ابوظہبی میں ہمارے ساتھ طویل عرصہ رہی عامر اور اینا مجھ سے دس سال چھوٹے ہیں۔ اینا کے والد فارن منسٹر میں تھے، میں اینا کو ٹیوشن پڑھاتا تھا اور ابوظہبی میں میری چھوٹی سی اکیڈمی تھی۔ جس میں بیرون ملک سے آئے لوگوں کو عربی، فارسی اور دوسری زبانیں سکھاتا تھا۔ وہ اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ میرے توسط سے ہی تو اینا کی عامر سے دوستی ہوئی تھی۔۔۔ اور پھر۔" وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔ پچھلے دو دن سے اس نے ایمان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ حالانکہ ایمان کے نہ بولنے کے باوجود وہ خود بخود اس سے باتیں کرتا رہتا تھا مگر دو دن سے وہ بالکل خاموش تھا اور آج وہ خود بخود اس سے پہلے کی طرح باتیں کرنے لگا تھا۔

"تمہاری سوچ بہت گھٹیا ہے اور مجھے کوئی نازیبا لفظ نہیں سوجھ رہا جو میں تمہارے بارے میں کہوں، تمہاری عمدہ سوچ اور اعلا ذہنیت کی تعریف کروں۔ بہرحال میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پچھلے دو دن سے کیوں تم نے تربوز جتنا منہ بنایا ہے۔ خفا میں نے ہونا تھا الٹا ناراض تم پھر رہی ہو۔ ایکسکیوز تمہیں کرنا چاہیے تھا وہ بھی میں ہی کر دیتا ہوں۔ کیونکہ اس میں فائدہ بھی میرا ہے۔ تم جو دو دن سے نہ میرا ناشتا بنا رہی ہو نہ کھانا دے رہی ہو اس سے بڑا ظلم اور ناانصافی بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ پلیز اب یہ خود ساختہ ناراضی ختم کر دو اور مہربانی فرما کر میرے کپڑے بھی پریس کر دینا۔" وہ بن ٹھن کر کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ شوز پہن کر اس نے موبائل اٹھایا اور پھر دروازے کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔

"اور ہاں آج میرے لیے لنچ میں کافی اہتمام کرنا۔ دو دن سے سوکھی ڈبل روٹی تین تین ٹائم کھا کھا کر میں بور ہو گیا ہوں۔"

"تو نہ۔۔۔ کچھ بھی نہیں بناؤں گی میں۔ اتنی باتیں سنا گیا ہے۔" وہ جلتی کلستی دروازہ بند کر کے اندر چلی آئی۔ کپڑے پریس کیے، پھر کچن میں آکر لنچ کی تیاری شروع کر دی۔ چار گھنٹے بعد کچن سے فارغ ہو کر اس نے اینا کی طرف جانے کا پروگرام بنالیا۔ غصے کے عالم میں نہ جانے اس نے کیا کچھ کہہ ڈالا تھا اب اپنی کہی گئی باتوں پر پشیمان ہو رہی تھی۔

اینا گھر میں ہی تھی اور فلو سے بے حال چھینک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ آگئی ہو۔ میں بھی سخت بوریت محسوس کر رہی تھی۔"

"میں تمہاری بوریت دور کرنے کے لیے ہی آئی ہوں۔" ایمان نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"اپنے سڑے ہوئے ہزبینڈ کو بھی لے آنا تھا۔"

"وہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں مجھ ناچیز کو کچن میں گھسے رہنے کا آرڈر دے کر چلے گئے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ای مان! مجھے تم ایشین لیڈیز کی یہی بات بہت پسند ہے۔ پتا ہے وہاں ابوظہبی میں عاشر کی تائی امی بہت اچھی کوکنگ کرتی تھیں اور مزے مزے کے کھانے بنا کر اکیڈمی بھیجتی تھیں۔ وہ بہت کیئرنگ لیڈی تھیں بہت سوفٹ اور لونگ بالکل تمہارے جیسی عاشر کی اصل ماما مجھے اچھی نہیں لگتیں بہت روڈ ہیں وہ جبکہ پاپا بہت نائس ہیں۔ عاشر کو اپنے پاپا سے بہت محبت ہے۔ وہ ان کی ہر بات مانتا ہے۔" اینا مزے سے بول رہی تھی اور اسی کوشش میں اس کے گلے میں سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔

"تم نے کچھ کھایا ہے؟" اچانک خیال آنے پر ایمان نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں یار! بخار کی وجہ سے دل نہیں چاہ رہا۔"

"تو میڈیسن تو لینی تھی نا۔۔۔ اچھا میں تمہارے

لیے کچھ بنا لاتی ہوں۔" ایمان نے خلوص سے کہا تو وہ خوشدلی سے سرہلانے لگی۔

"سوپ بنا لاؤں۔" جاتے جاتے ایمان نے پلٹ کر پوچھا۔

"ہاں نوڈلز والا۔" وہ اینا کے لیے سوپ بنا کر لائی تو اینا کو میگزین پڑھتے پایا۔ اسے دیکھ کر اس نے میگزین رکھ دیا تھا۔

"تم اپنے لیے نہیں لائیں۔"

"بس ایسے ہی موڈ نہیں ہے۔"

"ایک بات پوچھوں' برا تو نہیں لگے گا تمہیں' کیونکہ سوال کافی پرسنل سا ہے۔" اینا نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا تو ایمان نے خفگی سے نفی میں سرہلایا۔

"کیا تمہاری اور حاشر کی لو میرج ہے؟"

"نہیں تو..." ایمان قدرے چونکی۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا۔"

"بس ایسے ہی خیال گزرا تو میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں۔"

"تم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ رکھا تھا؟" اینا کے اگلے سوال نے اسے سوچ میں مبتلا کر دیا تھا کہ اسے تفصیل بتائے یا نہیں۔

"نہیں..." وہ مختصر بولی۔

"ایمان! کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے؟"

"محبت..." وہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر دھیرے سے گویا ہوئی۔

"میں نے محبت نہیں عشق کیا تھا۔"

"کیا تم نے بھی کسی نے محبت کی تھی۔"

"ہاں..."

"یقیناً" حاشر ہوگا' تم دونوں کی شادی کے بعد وہ ہر وقت تمہاری باتیں کرتا تھا۔ اس کے بابا نے حاشر کو تمہارے بارے میں سب بتایا تھا۔ ہم حاشر کو بہت لکی سمجھتے ہیں۔" وہ خود ہی مزید بتانے لگی تھی۔ ایمان کچھ پل اینا کی طرف دیکھتی رہی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے کہ اینا بھی کسی کے عشق میں گرفتار ہے۔"

"ہاں..." وہ بغیر جھجکے بولی۔

"میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ خوش قسمت کون ہے۔"

"عامر..." وہ دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"کون عامر... وہی جو تمہارا اور حاشر کا مشترکہ فرینڈ تھا پھر کسی وجہ سے تم لوگوں کی ناراضی ہو گئی تھی۔"

"ہاں... وہی عامر ہے جسے میں چاہتی ہوں۔ لڑائی تو ہماری بعد میں ہوئی تھی۔ دراصل وہ پہلے ہی ہم سے خفا خفا رہنے لگا تھا۔ اس حادثے نے اسے ساری دنیا سے ناراض کر ڈالا تھا۔ وہ مجھ سے جارج اور جیمز سے بھی ملتا نہیں تھا۔" وہ بھرائی آواز میں بول رہی تھی۔

"کیا تم نے اسے نہیں بتایا کہ تم اس سے پیار کرتی ہو۔"

"اسے سب پتا تھا۔" اینا نے آنسو رگڑ رگڑ کر صاف کیے اور پھر بولی۔

"اس نے کہا اینا تم مسلم نہیں ہو' حاشر نے کہا اینا اسلام قبول کرنے کی مگر وہ پھر بھی نہیں مانا۔ دراصل وہ احساس کمتری کا شکار ہو گیا تھا۔ اسے یاسیت کے دورے پڑنے لگے تھے۔ وہ تنہائی پسند ہو گیا تھا۔ اسے محفلوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ کچھ حاشر کے رویے نے اسے مزید تنہا کر دیا تھا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں مجھے یقین ہے کہ حاشر کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ عامر ایسا ہرگز نہیں ہے مگر میں نے پھر بھی حاشر کا ساتھ دیا تھا۔ حاشر نے مجھے بھائیوں والا مان دیا۔ مجھے بہت عزت اور محبت دی۔ پھر میں حاشر کا ساتھ کیسے نہ دیتی۔" اس کی الجھی الجھی باتیں ایمان کے سر سے گزر گئی تھیں۔ ایمان کافی دیر مزید بیٹھی رہی اور پھر اینا کے روکنے کے باوجود چلی آئی اس نے مارکیٹ سے کچھ ضروری چیزیں خریدنا تھیں۔

مختصر سی شاپنگ کرنے کے بعد وہ جوں ہی روڈ کراس کر کے ترتیب سے بنے ولاز کے قریب سے گزری تو وہی مانوس سی آواز سنائی دی۔ ایمان نے مڑ کر دیکھا' اس دن کی طرح آج بھی وہ اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔ ایمان نہ چاہتے ہوئے بھی آگئی۔

"میں اتنے دنوں سے آپ کی راہ دیکھ رہا تھا مگر آپ یہاں سے گزری نہیں۔" اس نے بڑے اپنائیت بھرے انداز میں شکوہ کیا تھا۔

"کیوں کیا مسز ڈنگ آج بھی چھٹی پر ہیں؟"

"ارے نہیں تو... اب وہ باقاعدگی کے ساتھ آتی ہیں۔"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"بس گزر رہی ہے۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔

"اتنی مایوسی اچھی نہیں' ینگ بوائے۔"

"آپ اندر آئیں نا۔" وہ اتنے اصرار سے بلا رہا تھا۔ ایمان کچھ سوچتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

* * *

اسے یہ مانوس' روٹھا روٹھا سا اداس لڑکا بہت اچھا لگا تھا۔ اس لیے وہ اکثر اس کی تنہائی کے خیال سے اس کے گھر چلی جاتی تھی۔ اس کی عادتیں بہت اچھی تھیں اور مزاج بھی بہت نرم تھا۔

ایمان آج بھی اس سے ملنے کے بعد گھر آئی اور آتے ہی ٹی وی آن کر لیا۔ حالانکہ اسے ٹی وی سے دلچسپی نہیں تھی۔

اچانک ہی ٹی وی پر پٹی چلنے لگی۔

"نامور دانشور' مفکر اور ادیب محمد سجاد حسین مدینہ میں دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے۔ انہیں مدینے میں ہی سپرد خاک کیا جائے گا۔" ایمان پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کی بے ساختہ چیخیں لبوں سے آزاد ہوئیں اور پھر وہ ______ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔ وہ اسے تسلیاں اور دلاسے دے رہا تھا۔ سمجھا رہا تھا۔ صبر کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔ جبکہ خود حاشر کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔

"مجھے ابھی پہنچنا ہے سعودی عرب' تم یہاں رہو گی۔ اینا تمہارے پاس آجائے گی۔" حاشر اسے بتا رہا تھا۔

"میں بھی جاؤں گی۔" اس نے مچل کر کہا۔

"تمہارا پاسپورٹ بننے میں ٹائم لگ جائے گا۔ تم یہیں رہو اور ان کی مغفرت کے لیے دعا کرو۔" وہ اسے مزید ہدایات دے کر چلا گیا تھا۔ ایمان نے پاکستان فون کیا تو وہاں بھی کہرام مچا تھا۔ کسی سے بھی فون پر بات نہ ہو سکی۔ وہ سب رنجیدہ تھے افسردہ تھے۔ غمزدہ تھے۔

تین دن بعد حاشر کی واپسی ہوئی تھی۔ ایمان اسے دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ حاشر کے آنسو بھی بے آواز بہہ رہے تھے۔

"میں عمار کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکا' میں بابا کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکا' پاکستان سے سب پہنچ گئے تھے ایک میں ہی دیر سے پہنچا ہوں۔ میں نے اپنے بھائی کا بھی چہرہ نہیں دیکھا' اس وقت میں عمرہ ادا کر رہا تھا۔ میں کس قدر بدنصیب ہوں۔"

"مجھے یقین نہیں آتا' بابا ہم سے ملے بغیر چلے گئے۔" وہ تھک کر نڈھال سی صوفے پر ڈھے گئی تھی۔

بابا کی اچانک وفات نے امی کو بھی توڑ پھوڑ دیا تھا۔ وہ اکثر بیمار رہنے لگی تھیں۔ حاشر نے انہیں کچھ دنوں کے لیے اپنے پاس بلا لیا تھا تاکہ ان کے ذہن اور مزاج پر اچھا اثر پڑے۔

وہ بہت کم گو ہو گئی تھیں۔ انہوں نے لوگوں سے ملنا ملانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ایمان بھی امی کو لینے حاشر کے ساتھ ایئرپورٹ گئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی پہلی بات یہی کی۔

"ایمان! تم تو بہت خوب صورت ہو گئی ہو۔"

ایمان کو ہنسی آ گئی تھی۔ فطرت انسانی کبھی بدل نہیں سکتی۔

گھر آنے کے بعد ایمان نے فٹافٹ کھانا لگایا۔ امی حاشر سے کہہ رہی تھیں کہ ایمان بہت اچھا کھانا بناتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔ امی نے کھانا کھا لیا تو وہ ان کے لیے چائے بنا لائی۔

"امی کا بستر کہاں لگاؤں گی۔" برتن سمیٹتے ہوئے وہ

مسلسل سوچ رہی تھی۔ یہ فلیٹ صرف دو بیڈ رومز پر مشتمل تھا۔ ایک کمرہ حاشر کے زیر استعمال تھا اور دوسرے میں وہ سوتی تھی۔ اب اسے امی کے لیے اپنا کمرہ چھوڑنا تھا۔ وہ ان کا بیڈ درست کر کے نئی بیڈ شیٹ بچھانے کے بعد باہر آئی تو امی بھی تھکن کی وجہ سے سونے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ جاتے جاتے پلٹیں۔

"ایمان! ایک جگ پانی کا اور گلاس لے آؤ۔"

"جی اچھا امی۔۔۔" وہ تابعداری سے سرہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ حاشر شاید باہر نکلا ہوا تھا۔ اس نے یہی موقع غنیمت جانا اور بہت اطمینان کے ساتھ حاشر کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ امی پر کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔ بہت مشکل سے اس کا یہ مقام بحال ہوا تھا اب وہ ایک مرتبہ پھر اپنی عزتِ نفس کو مجروح ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ مہر بیگم پر ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ بہت خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔

رات کو حاشر کافی دیر بعد واپس آیا تھا۔ وہ اپنے ہی دھیان میں مگن دروازہ کھول کر اندر آیا تو ایمان کو اپنے بیڈ پر لیٹے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ کچھ پل بعد اسے حقیقت کچھ کچھ سمجھ آگئی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر لائٹ آن کی اور پھر اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔

"یہاں کیوں سو رہی ہو؟"

"تو پھر اس ٹھٹھرا دینے والی سردی میں کہاں جاؤں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے' اٹھو میرے بیڈ سے۔" ایمان نے بے چارگی کے عالم میں حاشر کی طرف دیکھا اور پھر ٹوسیٹر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔

"تم میرے کمرے میں رہو گی تو مجھے نیند نہیں آئے گی۔" حاشر نے مزید اسے تپایا۔

"تو کہاں جاؤں میں۔" وہ تنگ کر بولی۔

"جہاں پہلے سوتی تھیں۔"

"مجھے یہیں سونا ہے۔"

"اچھی زبردستی ہے۔ چلو لائٹ آف کر دو۔"

"خود کر لیں' میں نے تو نہیں آن کی۔" وہ غصے سے بھناتے ہوئے بولی تھی اور پھر سمٹ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد حاشر نے اسے آواز دی۔

"مجھے ترس آرہا ہے تم پر' ادھر آجاؤ۔"

"مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا کروں رحمدل بندہ ہوں' تمہیں بے آرام دیکھ کر مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ چلو ضد نہ کرو اور ادھر آجاؤ۔"

"نہیں آتی پھر۔۔۔" وہ تنک اٹھی۔

"سردی میں مرنا ہے کیا۔"

"مر جاؤں تو بہتر ہے۔"

"اتنی مایوسی۔۔۔" اس نے مزید ایمان کو چڑایا۔

"آپ چپ نہیں رہ سکتے۔"

"پاس آکر کہو۔" ایمان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ حاشر اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"ایمان ڈیئر! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ بیڈ پر آجائیں۔" ایمان نے بے بسی کے عالم میں حاشر کی طرف دیکھا اور پھر تکیہ اٹھا کر بیڈ پر آگئی۔

"مجھے امی کو بہت پہلے بلا لینا چاہیے تھا۔" حاشر اس کے کان کے قریب گنگنایا تھا۔ ایمان بے بسی کے احساس سے لب بھینچ کر رہ گئی۔

"کچھ دنیاداری کے تقاضے ہوتے ہیں جنہیں نبھانا پڑتا ہے۔"

"اور کچھ دل کے تقاضے بھی ہوتے ہیں' جنہیں آپ نبھانا نہیں چاہتیں۔" وہ بلا کا حاضر جواب تھا۔ ایمان کو عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ قدرے سمٹ کر بیڈ کے کنارے سے لگ گئی۔

"کھسکتے ہوئے کہاں جا رہی ہو کیا نیچے گرنا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ گھبرا کر بھنچی آواز میں بولی تھی۔

"کہاں ٹھیک ہوں۔۔۔ ذرا قریب ہو کر لیٹو' مجھے چھوت کی بیماری نہیں ہے۔" حاشر نے سہولت سے اس کے بازو کو دبوچ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

"پلیز حاشر! کیا کر رہے ہیں۔" وہ کپکپاتی آواز میں بولی تھی۔ حاشر نے اس کے سیاہ ریشمی بالوں میں انگلیاں پھنسا کر جھٹکا دیا۔ وہ اس کے بہت قریب آگئی تھی یوں کہ حاشر کی گرم سانسیں اس نے اپنی گردن پر محسوس کیں۔ اس کا دل پہلو میں دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے بہت سہولت سے ایمان کو اپنی باہنوں کے حلقے میں لے لیا۔ وہ بولنا چاہتی تھی مگر تمام الفاظ نہ جانے کہاں کھو گئے تھے اور زبان میں گویا لکنت آگئی تھی۔

"اس بنجر دل کو پھر سے آباد کر لو' ان خوفزدہ ہرنی جیسی آنکھوں میں کچھ نئے خواب سجالو۔ میرے اپنے اور اپنے ہونے والے بچوں کے لیے زندگی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ کچھ زندہ لوگوں کی بھی خواہشات ہوتی ہیں۔ بھول جاؤ ماضی کو اپنے حال کی طرف توجہ دو' زندگی اسی کا نام ہے۔ دکھ' غم اور خوشیوں کا سنگم ہی اصل زندگی کی خوبصورتی ہے۔

میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا کہ تم مجھ سے محبت کرو' مگر میں یہ ضرور چاہوں گا کہ تم نارمل زندگی جیو۔ اک خوشگوار ازدواجی زندگی گزارو' تم نے اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی بے سکون کر رکھا ہے۔ اس بستر پر تنہا لیٹے میں نے کتنی ہی مرتبہ تمہاری موجودگی کو محسوس کیا ہے۔ میری خواہش تھی کہ تم خود چل کر اپنی دلی رضا مندی کے ساتھ اس کمرے تک آؤ۔ اگرچہ جس طرح سے بھی سہی تم آئی تو ہو اور میں تمہیں بہت محبت دوں گا' بہت چاہوں گا تمہیں' میری محبت سے کہاں تک بھاگو گی۔ آخر آنا تو میری پناہوں میں ہے نا۔ تم عمار کو بھول جاؤ گی۔" حاشر نے اس کی گرم تپتی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔ وہ اسے چاہ رہا تھا' سراہ رہا تھا' معتبر کر رہا تھا۔

"عمار۔۔۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھی۔

* * *

"نہ جانے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔ تین سال ہو گئے ہیں۔ ابھی تک زونیہ کی گود خالی ہے۔ کم از کم تم ہی خوشخبری سنادو۔" ایمان نے شرم کے مارے سر جھکا لیا تھا۔ جبکہ حاشر کا گویا پسندیدہ ٹاپک چھڑ چکا تھا۔ وہ مسلسل ماں کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

"کسی ڈاکٹر کو چیک کروالیا تھا ایمان۔"

"جی امی۔۔۔" وہ دبی آواز میں بولی تھی۔

"ابھی فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ایمان کی لٹکی صورت دیکھ کر حاشر نے ماں سے کہا تو وہ خفا ہو گئیں۔

"کیوں ضرورت نہیں' بچے تو گھر کی رونق ہوتے ہیں۔"

"بچوں کی بات نہیں' ڈاکٹر چیک اپ کروانے کی بات کر رہا ہوں۔" وہ فریج کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کچھ ہے تو نہیں۔۔۔" انہوں نے بغور ایمان کے چہرے کا جائزہ لیا تو وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

"کچھ نہیں' بہت کچھ ہے۔ کیا کھائیں گی۔" وہ فروٹ باسکٹ اٹھا لایا تھا۔ ایمان کے ساتھ ساتھ مہر بیگم بھی مسکرا دیں۔

"امی! اپنا نے آپ کو انوائٹ کیا ہے۔"

"نہ میں نہیں جاتی' نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہو۔ میرے تو پلے کچھ نہیں پڑتا۔"

"اچھا آج ڈاکٹر کے پاس تو چلیں گی نا۔"

"مجھ سے نہیں دوائیاں کھائی جاتیں۔" انہوں نے بےزاری سے کہا اور پھر اریبہ اور کاظم کو یاد کرنے لگیں۔ پندرہ دنوں میں نہ جانے کتنی مرتبہ وہ اپنے پوتے اور پوتی کو یاد کر چکی تھیں۔

"میرا تو بچوں کے لیے بہت دل اداس ہو رہا ہے۔"

"اب آپ کے لیے اگلے سال تک کوئی نہ کوئی انتظام کر رکھیں گے۔" حاشر نے انہیں تسلی دی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" انہوں نے صدق دل سے دعا کی۔

امی محض پچیس دن رہ کر ہی بور ہو گئی تھیں۔ وہ بہت بے چین تھیں گھر جانے کے لیے۔ ایمان کے بے حد اصرار پر بھی وہ مزید نہیں رک رہی تھیں۔ ایمان نے امی کے ہاتھ سب کے لیے بہت سے گفٹس بھجوائے تھے حمزہ' حماد اور یسعہ کے لیے

بھی تحفے بھیجے۔" وہ آئی تین ماہ رہنے کے لیے تھیں مگر ایک مہینہ بھی نہیں رہ سکیں۔

انابیہ بھابھی نے شکریے کا فون بھی کیا تھا البتہ زونیہ اور آمنہ آپی نے ایسی کوئی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ امی کے جانے کے تیسرے دن ولید آگیا تھا۔ وہ اپنے آفیشل کام کے سلسلے میں آیا تھا۔

ایمان کے پوچھنے پر اس نے صاف صاف بتادیا تھا کہ زونیہ بانجھ ہے۔ اس فطری سا دکھ تھا جس نے ایمان کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے افسوس کا اظہار کرے۔

ولید نے حاشر کو بھی بتایا تھا اسی لیے وہ رات کو کافی چپ چپ تھا۔ یہ ایسی کمی تھی جو کسی بھی صورت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

ولید کے جانے کے بعد ایمان ایک مرتبہ پھر سامان سمیت اپنے کمرے میں شفٹ ہو چکی تھی۔ حاشر اس کی چالاکی پر سخت ناراض تھا۔ اسی لیے تو دن میں بیس بیس مرتبہ فون کر کے اسے دھمکاتا تھا۔

"ابھی فون کر کے بتاتا ہوں امی کو کہ آپ کی موجودگی میں محض ڈرامہ کر رہی تھی یہ۔" ایمان اس کی باتیں اور دھمکیاں سن کر نظر انداز کر دیتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حاشر کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔" رات کو وہ اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی جب حاشر کی آواز سنائی دی۔

"کس بات کا غرور ہے 'کیوں اتنی اکڑ ہے تم میں۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی 'مجھ ناچیز میں کیسی اکڑ' کیسا غرور۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں تمہارے عشق میں مرا جا رہا ہوں۔ نہیں رہ سکتا میں تمہارے بغیر 'تم مجھے لفٹ نہیں کرواؤ گی تو میں گبسن 'سینڈی' وکٹوریہ 'فارس اور کیرل کم کے صحراؤں کی خاک چھاننے نکل جاؤں گا یا پھر مسی سپی 'وانگ زے کیانگ' وولگا 'ہانگ ہو' ارل 'اور نیل کے دریاؤں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لوں گا۔ تو میڈم یہ آپ کی بھول ہے۔ آپ جتنا میری عزت نفس کو مجروح کرنا چاہتی تھیں کر چکی ہیں۔ میں مزید خود کو جھکانا نہیں چاہتا۔" اس نے بے حد طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ ایمان نے آنسو بھری آنکھوں سے حاشر کی طرف دیکھا اور اس کا دل موم کی طرح پگھل گیا۔

"کم از کم مجھے اس طرح نہ دیکھا کرو 'گھائل کر کے رکھ دیتی ہو 'اتنی کوششوں سے تو میں نے خود پر غصہ طاری کیا تھا۔ سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا ہے۔" ایمان کے آنسو روانی کے ساتھ بہہ رہے تھے۔ حاشر کو پشیمانی نے گھیر لیا۔

"پلیز ایمی!" وہ سرعت سے اس کے قریب آیا۔

"کیوں رو رہی ہو 'میں نے کون سا آتش فشاں پہاڑ تمہارے سر پر پھوڑا ہے۔ پلیز خاموش ہو جاؤ۔"

"میری طبیعت خراب ہے مگر آپ کو کیوں احساس ہو گا۔"

"کیا ہوا ہے طبیعت کو 'بیمار ہوں تمہارے دشمن چلو آؤ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" حاشر نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھاما 'نبض ٹٹولی اور پھر کار کی چابیاں اٹھالیں۔

"آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"اس بیڈ روم میں کیا شفا کا تعویذ رکھا ہوا ہے؟"

بہت حیرانی کے عالم میں دریافت کیا گیا تھا۔ ایمان نے جھنجلا کر حاشر کی طرف دیکھا اور پھر لاؤنج میں ___ صوفے پر لیٹ گئی۔ اسے پچھلے دو دن سے بخار تھا۔ ابھی بھی سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔

"کیا تیمار داری کروانے کا ارادہ ہے۔" وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"سر دباؤں___"

"نہیں___" وہ بھرائی آواز میں بولی تھی۔

"تو پھر گلا دباؤں؟"

"دبا دیں___" حاشر نے مسکراتے ہوئے اس کی گداز گردن پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔

"پلیز حاشر! مجھے کچھ دیر آرام کرنے دیں۔" اس نے التجائیہ لب و لہجے میں کہا۔

"اوکے 'پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں پھر آرام کر لینا۔" ایمان گہری سانس کھینچ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

* * *

"اتنے دنوں بعد میری یاد آئی ہے۔ اب بھی نہ آتیں۔" ایمان نے جوں ہی لاؤنج میں قدم رکھا اس کی ناراض ناراض آواز سنائی دی۔

"اصل میں پہلے مہمان آگئے تھے پاکستان سے پھر میری طبیعت خراب ہو گئی تھی ابھی بھی ٹھیک نہیں ہوں مگر پھر بھی آگئی ہوں۔"

"بہت احسان کیا ہے آپ نے میری ذات پر۔"

"عامر! ایک تو تم ناراض بہت جلدی ہو جاتے ہو۔"

"اتنے دن ہو گئے ہیں کھڑکی کے ساتھ روز چپک کر بیٹھتا ہوں.... اب آئی ہیں آپ۔" وہ خفا خفا سا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"میں آپ کو آپی کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں۔ مگر آپ اچھی 'بس ہرگز نہیں ہیں۔"

"تمہارا رہ کر اتنے چڑچڑے ہو گئے ہو 'اسی لیے تو کہتی ہوں کہ شادی کر لو۔"

"بھلا میرے ساتھ کون کرے گا شادی۔"

"کیوں تم میں کیا کمی ہے۔" ایمان نے خفگی سے کہا۔

"اس سے بڑی کیا کمی ہو سکتی ہے۔" عامر نے اپنی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"لوگوں کو اس سے بڑے بڑے صدمات بھی پہنچتے ہیں مگر جینا تو پڑتا ہے۔ تم اللہ کا شکر ادا کیا کرو جس نے تمہیں دوبارہ زندگی عطا کی ہے۔" ایمان اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

"خون کا رشتہ تو کوئی تھا نہیں 'جنہیں اپنا سمجھا تھا وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔"

"جو روٹھ جائے اسے منا لینا چاہیے۔"

"میں کیوں مناتا اسے 'کیوں صفائیاں پیش کرتا اپنی۔ وہ مجھے جانتا تھا میری رگ رگ سے واقف تھا پھر بھی اس نے میرا یقین نہیں کیا۔ ان جھوٹے لوگوں کو اہمیت دی اور اس کی وہ لومڑی سی بس مجھ پر الزام لگاتی رہی تھی۔" وہ غصے سے بھنا اٹھا تھا۔

"چلو تم حاشر سمیت سب سے ناراض ہو جاتے مگر اینا کا کیا قصور تھا۔"

"وہ بھی مجھے جھوٹا اور بے ایمان سمجھتی تھی۔"

"نہیں وہ تمہیں ایسا نہیں سمجھتی۔" ایمان نے یقین بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں جانتیں آپی! یہاں کے لوگ بہت منافق ہیں۔"

"مگر حاشر اور اینا ایسے نہیں ہیں۔"

"اینا سے آپ مل چکی ہیں 'لیکن حاشر کی اتنی فیور کیوں کر رہی ہیں۔" عامر نے الجھ کر سوال کیا تو ایمان مسکرا اٹھی۔

"میں حاشر کی بیوی ہوں۔"

"کیا___" عامر چلا اٹھا تھا۔ اس کی حیرت کسی طور کم نہیں ہو پا رہی تھی۔

"آپ نے مجھے کبھی بتایا نہیں کہ آپ اس کمینے اور ذلیل شخص کی بیوی ہیں۔ آپ اتنی اچھی ہیں بھلا اس کی بیوی کیسے ہو سکتی ہیں۔" وہ بے یقینی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"اب بات کھل چکی ہے تو مجھے بتا دیں کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں وہی عامر ہوں۔ جس کی داستان اینا نے آپ کو سنائی تھی۔"

"بہت ہی کھامڑ ہو تم عامر! ڈرائنگ روم میں اتنی بڑی بڑی تصویریں لگا رکھی ہیں تم نے حاشر اور اینا کی 'اور میں الحمدللہ دیکھ سکتی ہوں اور میری آئی سائیڈ بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"او___ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" وہ ہونق پن سے بولا۔

"تم سوچتے کم ہو اور جلتے زیادہ ہو۔"

"ہاں 'یہ تو ہے۔" اس نے فوراً" ہی اتفاق کر لیا تھا۔ ایمان کافی دیر بعد گھر آئی تو اینا کو موجود پایا۔

"تم کہاں سے راستہ بھول آئی ہو۔" اینا نے کچھ

بھی نہیں کہا بلکہ اضطراب کے عالم میں انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"کیا بات ہے اینا! تم پریشان دکھائی دے رہی ہو۔"

"اصل میں مجھے حاشر نے آج ہی بتایا ہے میں نے سوچا خود جا کر مبارک باد دوں۔" اینا جس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی ایمان سمجھتے ہوئے شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجا کر بولی۔

"ایک تو حاشر بھی نا۔" جب سے حاشر کو اس کے پریگننٹ ہونے کی خبر ملی تھی اس نے فوراً" فوراً" پاکستان میں سب کو فون کر کے بتایا تھا۔ بس اعلان کروانے ۔۔۔ کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"اینا! تم کیوں پریشان ہو؟" ایمان کے پوچھنے پر وہ سنجیدگی سے بتانے لگی تھی۔

"جارج نے مجھے پرپوز کیا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"مگر میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"تم عامر کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔"

"ایک بات یہ بھی ہے مگر جارج کو انکار کرنے کی وجہ کچھ اور ہے۔" وہ اسی طرح مضطرب انداز میں بولی تھی۔

"کیا وجہ ہے۔"

"مم ۔۔۔۔ میں نے آج سے تین سال پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

"کیا یہ سچ ہے۔" ایمان نے فرط مسرت سے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

"ہاں ۔۔۔۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں اسلام کیسا مذہب لگا۔"

"بہت ٹھنڈا میٹھا روح کو سرشار کر دینے والا۔"

"تم کیا پہلے کرسچن تھی؟"

"ہاں ۔۔۔۔ مجھے رسالت محمدی ﷺ کی جو خصوصیات ہیں مثلاً" عمومیت' جامعیت' کاملیت' ہمہ گیریت ۔۔۔

۔۔۔۔ نے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں جان گئی ہوں کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور القرآن ہی ایسی کتاب ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں' قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا وہ ایک زندہ زبان ہے' قرآن مجید ایک عالمگیر کتاب ہے اس کا پیغام آفاقی ہے اس سے زیادہ جامع کتاب نہ آج تک نازل ہوئی ہے اور نہ کسی پر نازل ہو گی۔ تم نہیں جانتیں ایمان! میں نے قرآن پاک کے تراجم بے شمار زبانوں میں پڑھے ہیں۔ البانوی' اطالوی' فارسی' لاطینی' ڈینش' سربین' اور پوش مگر عربی زبان میں قرآن پاک پڑھنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔۔۔۔ میں بہت مطمئن ہو گئی ہوں۔ مجھے میری زندگی کا مقصد مل چکا ہے۔"

"اینا! تم نے مجھے بے پناہ خوشی سے نوازا ہے' مگر مجھے افسوس ہے کہ حاشر نے اتنی بڑی خوشخبری مجھ سے چھپائی۔"

"حاشر کو میں نے ہی منع کر رکھا ہے۔ میری کچھ مجبوریاں تھیں۔" وہ اب اپنی کنپٹیاں دبا رہی تھی۔ ایمان کو اس چھوٹی سی لڑکی پر بہت ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔

"تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم دونوں کے خیالات کتنے ملتے جلتے ہیں۔" ایمان نے طنزیہ کہا۔

"اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" اس نے دل ہی دل میں مضبوط عہد کیا تھا۔

"اینا مسلم ہے۔ مگر آپ نے مجھے بتایا نہیں۔" رات کو ایمان نے بہت جوش کے عالم میں حاشر سے پوچھا تھا۔

"کتنا تو تم مجھے دیکھ کر بھی خوش نہیں ہوتیں۔" حاشر کے اپنے ہی شکوے شکایات تھے۔

"اینا آج آئی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی' یقیناً آپ اس کی پریشانی کی وجہ جانتے ہوں گے' آپ اینا کی خاطر کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیتے۔ اگر آپ چاہیں تو وہ ایک اچھی اور من پسند زندگی گزار سکتی ہے۔" وہ آج حاشر کو بھرپور قائل کرنے کے موڈ میں تھی۔

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جان بوجھ کر انجان مت بنیں' اگر آپ عامر سے

صلح کر لیں تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے زوجہ محترمہ! کہ عامر نے میری لڑائی سے پہلے ہی اینا سے منگنی کو ختم کر دیا تھا محض اپنی معذوری کی وجہ سے' جبکہ اینا کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا مگر اس کے احساس کمتری نے اسے بالکل تنہا کر ڈالا ہے۔" حاشر نے اطمینان سے تفصیلا" اسے بتایا جبکہ وہ مطمئن نہیں ہو پا رہی تھی۔

"آپ عامر کو قائل کر سکتے تھے۔" اس نے جرح کی۔

"وکیل صاحب! عامر کو آپ سے زیادہ بہتر کوئی قائل نہیں کر سکتا۔ آج کل آپ کے نام کی مالا جپ رہا ہے وہ۔ مجھ سے بہتر آپ اسے سمجھا سکتی ہیں۔"

"آپ کو کیسے پتا کہ میں عامر کو جانتی ہوں۔" ایمان کی حیرت کی شدت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"میں اللہ کے فضل سے دو خوب صورت آنکھیں اور ایک ذہین دماغ رکھتا ہوں اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ میری نرم دل بیگم اس کھامڑ کا سودا لیے اتنی دور سے اٹھا کر لائی ہے اور یہ بھی کہ اکثر ادھر سے لنچ تیار ہو کر اس احمق کے گھر جاتا ہے۔" حاشر نے بڑے سکون کے عالم میں اپنی بات مکمل کی تھی۔

"تو پھر آپ عامر سے صلح نہیں کریں گے۔ وہ بہت تنہا ہے' اسے آپ سب کی ضرورت ہے۔"

"میں عامر سے ناراض نہیں ہوں اور اسے ہماری نہیں صرف اینا کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ مجھے کسی اور کی نہیں صرف تمہاری ضرورت ہے اور ہاں عامر کو تم ہم سب سے بہتر سمجھا سکتی ہو۔ وہ تمہاری بات مان لے گا۔" حاشر نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے کھڑا ہو گیا تھا جبکہ ایمان نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔ وہ اس کے پیچھے ہی بیڈ روم میں آ گئی۔

"آپ بھی تو ایک مرتبہ اس سے بات کر کے دیکھ لیں۔"

"تم اپنی اور میری کوئی بات نہیں کر سکتیں۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔

"فی الحال آپ کو اینا کا مسئلہ حل کرنا ہو گا۔" ایمان نے اسے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں میرے علاوہ ساری دنیا کی پروا ہے۔۔۔"

"آپ کے تو شکوے ختم نہیں ہوتے۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"تم نے کبھی شکوے دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔" حاشر نے چہرے پر مظلومیت طاری کر رکھی تھی۔ وہ بیڈ روم میں بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے زیر لب بڑبڑاتی رہی۔

"کبھی دو گھڑی میرے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔ یہ بے جان چیزیں مجھ سے زیادہ توجہ کی حق دار ہیں۔" ایمان نے بیڈ شیٹ بدلی اور پھر دھونے والے کپڑے اکٹھے کر کے باسکٹ میں رکھے۔ حاشر اس دوران مسلسل بول رہا تھا۔

"مجھ سے بڑا احمق کوئی نہیں ہو گا اسی لیے تو تمہاری جیسی بیویاں خوامخواہ کے رعب ڈالنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔"

"آپ نے خود کو احمق تسلیم کر لیا ہے۔" ایمان نے حیرت سے کہا۔

"ظاہر ہے کوئی عقل سے پیدل شخص ہی تم سے شادی کر سکتا تھا۔" اس نے ایمان کو چڑانا چاہا۔

"تو آپ کو کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا۔ خود مختار تھے انکار کر دیتے۔" اب وہ بیڈ پر لیٹنے کے بعد آنکھوں پر بازو رکھ چکی تھی شاید کمرے میں پھیلی روشنی کی وجہ سے۔

"کہا نا کہ میں بہت رحمدل انسان ہوں' تمہاری ویران زندگی کو دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔" حاشر لائٹ آف کرنے کے بعد اس کے برابر آ کر لیٹ گیا تھا۔

"جو میرے حصے کے غم تھے وہ مجھے مل کر رہے تھے۔"

"اپنے حصے کی خوشیوں کی طرف بھی دھیان دیا کرو۔" حاشر نے اس کی آنکھوں پر رکھے بازو کو ہٹایا۔

"خوشیاں کبھی راس نہیں آئیں۔" "نہ جانے کیوں

آنکھوں کے گوشے کسی گرم چیز سے بھیگنے لگے تھے۔ بائیں جانب سے اک میٹھا سا درد اٹھا تھا جو کہ پورے وجود میں سرائیت کر گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" حاشر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولا۔

"ویسے ایمی! تم نے کبھی سوچا نہیں ہوگا اس قدر پر لگژری لائف گزارنے کے بارے میں۔"

"مجھے کبھی دولت اور نمود و نمائش متاثر نہیں کر سکی۔" اس کے اندازے کے عین مطابق ایمان نے غصے سے کہا اور پھر کروٹ بدل لی۔

"لیکن پیسہ زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔" حاشر نے زبردستی اس کا بازو پکڑ کر رخ بدلا۔

"میرے نزدیک رشتے اور محبت اہم ہے۔"

"اگر رشتے اور محبت اتنی ہی اہم ہے تو کبھی میرے منہ پر بھی محبت کے دو بول مار دیا کرو۔" حاشر نے میٹھی سی نگاہ اس کی سیاہ بھیگی بھیگی آنکھوں پر ڈالی اور پھر اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔

"محبت صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔" ایمان نے تھک کر سوچا۔

"محبت میں بہت وسعت ہے یہ بار بار بھی ہو جاتی ہے۔" وہ گویا اس کی سوچوں تک رسائی پا چکا تھا۔ ایمان کا سر حاشر کے کندھے سے ٹکرایا۔ وہ ہنوز مسکرا رہا تھا' یہ سپردگی کا انداز اسے بہت بھا رہا تھا۔ حاشر نے اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر آنکھوں میں جھانکا وہ ان آنکھوں کے درد کو نوچ کر ان میں خوشیاں بھر دینا چاہتا تھا۔ ایمان آنکھیں بند کر چکی تھی۔ حاشر نے اس کے کندھے کو ہلایا تو وہ دبی آواز میں بولی۔

"پلیز حاشر! سونے دیں۔"

"اب کس کافر کو نیند آئے گی۔" وہ اس کے کان کے قریب گنگنایا تھا۔

* * *

"ایمان آپی! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" عامر انتہائی سنجیدگی سے بولا تھا۔

"کون سا فیصلہ؟"

"یہی جھک جانے کا فیصلہ' میں جانتا ہوں۔ وہ کس قدر خود پسند اور انا پرست ہے۔ روزانہ مسز ڈنگ کو فون کر کے میری خیریت پوچھے گا ادھر سے گزرتے ہوئے اک لمحے کے لیے ہی سہی اپنی گاڑی میرے دروازے کے سامنے روکے گا مگر خود چل کر یہاں نہیں آئے گا۔ خوب جانتا ہے وہ کہ کس نے کاروبار میں فراڈ کیا ہے' کون جھوٹا اور دھوکے باز ہے مگر اب انا آڑے آتی ہے اعتراف کرنے میں' اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے کہ خود ہی اس کے پاس چلا جاتا ہوں آخر میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے' پھر اس کا رتبہ بھی بڑا ہے منصب بھی بڑا ہے وہ میرا استاد بھی تھا بھائی بھی اور دوست بھی ——"

"ساڑھے تین سال بعد تمہیں خیال آیا ہے کہ میں تم سے بڑا ہوں۔" حاشر کی آواز سن کر وہ دونوں ہی چونک اٹھے تھے۔ عامر کا منہ کھلا رہ گیا۔

"حاشر! تم ——"

"الو' بے وقوف' اور انتہائی مکار شخص اب آنسو بہا کر خود کو مظلوم ثابت کرنا چاہتے ہو۔" حاشر نے اسے سینے میں خوب بھینچا کہ اس کی چیخیں نکل گئیں۔ پھر کچھ ہی دیر بعد اینا' جیمز اور جارج بھی آ گئے۔

عامر اور حاشر کی صلح کی خوشی میں جیمز اور جارج نے بھنگڑا ڈالا۔ ایک دفعہ پھر جارج نے ان کی صلح کی خوشی میں ٹریٹ دی۔

اور ٹھیک ایک ہفتے بعد اینا اور عامر کا نکاح ہو گیا تھا۔ ان دونوں کو خوش اور مسرور دیکھ کر ایمان نے صدق دل سے ان کی خوشیوں کے قائم دائم رہنے کی دعا کی۔

حاشر ان دنوں اپنے اسٹور کی تیسری برانچ کو اسٹیبلش کرنے میں مصروف تھا۔ وہ آج کل امریکہ کی ریاست "کولوریڈو" کے ایک بڑے سرمایہ کار سے رابطے میں مصروف تھا۔ آج مسٹر جوزنات نے نیویارک آنا تھا اور حاشر' مسٹر جوزنات سے ملاقات کی غرض سے مقامی ہوٹل پہنچ گیا تھا جہاں مسٹر جوزنات ٹھہرے ہوئے تھے۔

وہ ایمان کو بتا گیا تھا کہ واپسی پر اسے کافی دیر ہو جائے گی لہٰذا وہ پریشان نہ ہو۔ ایمان گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر اینا کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کی واپسی چھ بجے کے قریب ہوئی۔

وہ اپنے ہی دھیان میں مگن جوں ہی لاک کھول کر اندر آئی تو صوفے پر ایک حسین' تمیں' انتیس سال کی عورت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"یہ اندر کیسے آئی جبکہ دروازہ باہر سے لاک تھا۔" وہ گم سم اور بے حد خوفزدہ سی دروازے میں ہی کھڑی رہ گئی۔

"رک کیوں گئیں آؤ نا۔" وہ اس اطمینان سے اسے اندر بلا رہی تھی گویا یہ فلیٹ اسی کا تھا۔

"کون ہو تم؟" ایمان نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"مجھے میرو کہتے ہیں۔" وہ دلکشی سے مسکرائی۔

"کون میرو ——؟"

"تمہارے شوہر کی بیوی ——" میرو نے قہقہہ لگایا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو۔"

"یہی سچ ہے۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں پھنسی ہیرے کی انگوٹھیوں کو گھماتے ہوئے بولی۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟" ایمان کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔

"میری یہاں موجودگی۔" وہ کھلکھلائی۔

"کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ میرے پاس اس فلیٹ کی چابیاں ہیں۔ اس فلیٹ میں میرا سامان پڑا ہے۔ یہ سامنے والا کیبنٹ کھول کر دیکھو اور یہ لاکڈ وارڈ روب بھی۔" وہ دیوار میں نصب بڑی سی الماری کی طرف اشارہ کر کے بولی اور پھر اس نے اٹھ کر الماری کے تینوں پٹ کھول دیے' وہاں لیڈیز ویسٹرن ڈریس لٹکے ہوئے تھے ساتھ کچھ جینٹس ڈریسز بھی تھے۔ نچلے کیبنٹ میں میک اپ کا سامان پڑا تھا۔ جیولری اور کچھ دیگر اشیاء بھی تھیں۔ ایمان نے شدت کرب کی ایک تیز لہر من میں اٹھتی محسوس کی۔

"کچھ اور ثبوت بھی ہیں میرے پاس۔" وہ بڑے تفاخر کے عالم میں اٹھی اور بہت استحقاق سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس نے ایمان کو آواز دی۔ ایمان کا وجود گویا پتھر کا مجسمہ بن چکا تھا۔ اس سے ایک قدم بھی چلا نہیں گیا۔ میرو نے کچن میں سے جھانکا اور پھر اسے منجمد کھڑا دیکھ کر واپس آئی۔ اس کا ہاتھ سختی سے پکڑا اور تقریباً" گھسیٹتے ہوئے کچن میں لائی۔ پھر اس نے فریج کے لاکڈ دروازے کو کھولا۔ ایمان کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ چھوٹا سا فریج ولایتی شراب کی بوتلوں سے بھرا ہوا تھا۔ میرو نے آرام سے ایک بوتل اٹھائی اور اس کو کھول کر اپنے منہ سے لگا لیا۔

"یہ ہے میرا اور تمہارے شوہر کا فیورٹ مشروب۔ اس کے علاوہ بھی کچھ ثبوت ہیں اگر دیکھنے کی تاب ہے تو دکھاتی ہوں تمہیں۔" میرو نے بوتل سلیب پر پٹخی اور پھر ہینڈ بیگ سے چند فحش تصویریں نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائیں۔ ایمان سفید لٹھے کی مانند چہرہ لیے نگاہ چرا گئی تھی۔ اس کے آنسو بے آواز گر رہے تھے۔

"نہیں حاشر ایسا ہرگز نہیں ہے۔" وہ دھیرے دھیرے بڑبڑا رہی تھی۔

"ایک اور چیز بھی ہے میرے پاس۔" میرو نے ایک خاکی لفافہ پرس میں سے نکالا۔

"دیکھو' یہ میرا آخری ثبوت ہے۔ میرا اور حاشر کا نکاح نامہ۔" ایمان کے سر پر گویا یہ پوری کی پوری بلڈنگ آگری تھی۔ وہ رو رہی تھی چیخ رہی تھی اور میرو برابر قہقہے لگا رہی تھی۔

"میں پھر آؤں گی' تمہاری بربادی کا تماشا دیکھنے۔" اس نے حقارت سے کہا اور نہ جانے کون سا انگلش گانا بے ڈھنگے انداز میں گاتی دفعان ہو گئی۔

ایمان کو تو کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ رو رو کر نڈھال ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔ رو رو کر حلق میں کانٹے اگ آئے تھے' سر درد

سے پھنستا جارہا تھا۔

"بابا! آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا' آپ نے مجھے دوزخ میں پھینک دیا ہے۔ میں برباد ہو گئی ہوں۔ میری نمازیں ضائع ہو گئیں' میرے اعمال فنا ہو گئے۔ مجھے ایک شرابی اور زانی کے حوالے کردیا آپ نے' مجھے ذلتوں کے اندھے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ میں مر رہی ہوں' میرا سانس گھٹ رہا ہے۔ میں کیسے نکلوں اس کھائی سے آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" نہ جانے وہ کب تک چلاتی رہتی' روتی رہتی' اپنے نصیبوں پر ماتم کرتی رہتی۔ حاشر کی آمد نے اسے گم سم کردیا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح دیکھ رہی تھی اور پھر چیل کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ حاشر اس کی جنونی حالت کو دیکھ کر پریشان ہو اٹھا تھا۔

"یمی! ہوش کرو کیا ہوا ہے' پاکستان میں تو خیریت ہے نا۔" حاشر نے بمشکل اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر قابو کرکے جھنجوڑا تھا۔

"تم دھوکے باز ہو' جھوٹے ہو' شرابی ہو۔۔۔ بابا نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ایک بدکردار شخص سے میری شادی کردی۔۔۔ نہیں اچھا کیا بابا نے۔" وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

"ایمان! ہوا کیا ہے' کچھ بتاؤ تو سہی۔" حاشر نے بے قراری سے کہا۔

"چھوڑ دو مجھے' نہیں رہنا میں نے یہاں۔" وہ اسی طرح مسلسل چلا رہی تھی۔

"نفرت ہے مجھے تم جیسے مردوں سے گھٹیا غلیظ۔۔۔ گندی نالی کے کیڑے۔"

"ایمان! کیا پاگل پن ہے' کچھ بتاؤ تو سہی۔" حاشر نے نرمی سے التجا کی۔ پھر اس کی نگاہ کھلی الماریوں اور شراب کی بوتل پر پڑی۔ وہ ایک دم چونکا' ٹھٹکا اور پھر سختی سے پوچھنے لگا۔

"کون آیا تھا یہاں۔۔۔ بتاؤ یمی!"

"آئی تھی تمہاری ہوتی سوتی' جس کے ساتھ گلچھرے اڑاتے رہے ہو۔" ایمان نے چلا چلا کر کہا۔

"میبو۔۔۔ بے غیرت' تجھے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ میبو کو گالیوں سے نوازتا ایمان کے لیے پانی لے آیا۔ ایمان نے گلاس اٹھا کر سامنے والی دیوار سے دے مارا۔

"دیکھو ایمان! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں' پلیز خاموش ہو جاؤ۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا' بس تم مجھے واپس بھجوا دو' نہیں رہوں گی میں یہاں۔" اس نے اپنے بال نوچنے شروع کردیے تھے۔

"مجھے کچھ کہنے تو دو۔۔۔ میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں۔" حاشر نے بے بسی سے کہا۔

"میں خود کو ختم کرلوں گی ورنہ مجھے واپس بھجوا دو۔" اس کی بس ایک ہی رٹ تھی۔ لاکھ التجاؤں اور منتوں کا بھی اس پر اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے کوس کوس کر تھک گئی تھی۔ حاشر کو یہ خدشہ تھا کہیں اس کا نروس بریک ڈاؤن نہ ہو جائے۔

وہ اس کی منتیں کر کرکے تھک چکا تھا مگر وہ کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ پھر ایمان نے خود کو کمرے میں بند کرلیا' اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ حاشر دروازہ پیٹ پیٹ کر تھک جاتا۔ تین دن اس نے مسلسل خود کو کمرے میں بند رکھا اس دوران نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا۔ آخر تھک ہار کر محض اس کی اس کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حاشر نے اسے پاکستان بھجوانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اس کی سیٹ کنفرم کروا کر حاشر نے آخری کوشش کے طور پر اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا تو وہ ایک مرتبہ پھر کمرے میں بند ہو گئی۔

جانے سے پہلے اس نے اپنا اور عامر سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر وہ چلی گئی تھی شاید ہمیشہ کے لیے۔

* * *

اس کا استقبال بہت اچھا نہ سہی اتنا برا بھی نہیں کیا گیا تھا۔ خصوصاً ابا' بیہ بھابھی بہت اچھے طریقے سے ملی تھیں۔ امی کا رویہ بھی بہت اچھا تھا۔ البتہ گزرے وقت نے زونیہ کے مزاج پر کچھ بہتر اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ پہلے جیسی ہی تھی روڈ اور روکھی پھیکی۔

اس کی اچانک آمد کا سن کر بھیا اور حرا بھابھی بھی ملنے کے لیے آئی تھیں۔ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتی تھیں مگر ایمان نے انکار کردیا۔

وہ عمار کے کمرے میں ہی ٹھہری تھی۔ اس نے ہمیشہ اب اسی کمرے میں ہی رہنا تھا۔ وہ ان سب پر کچھ بھی ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی اسی لیے اس نے اپنے رویے کو نارمل رکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ حاشر انہیں کچھ نہیں بتائے گا اور وہ خود بھی اپنے بھرم کو قائم رکھنا چاہتی تھی۔ مگر حاشر کے فون نے سب کو ہی تجسس میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ ایمان سے بات کرنا چاہتا تھا مگر ایمان نے انکار کردیا اسی لیے گھر والوں کو کچھ کچھ ان کی آپس میں ناچاقی کی بھنک پڑ گئی تھی۔

ان تینوں مہینوں میں حاشر نے ایک سو چوبیس مرتبہ فون کیا تھا مگر ایمان ہر دفعہ ہی بہانہ بنا کر ادھر ادھر ہو جاتی۔ مہر بیگم نے ایک دن اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔

"کیا بات ہے ایمان! تم حاشر سے بات کیوں نہیں کرتیں۔"

"امی! اصل میں موبائل پر بات ہو جاتی ہے۔" اسے فوراً" ہی بہانہ سوجھ گیا۔

"کہیں لڑائی جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

پہلے پہل سب گھر والوں نے اسے بہت اہمیت دی تھی حتیٰ کہ آمنہ آپی بھی بہت تپاک سے ملی تھیں۔ مگر آہستہ آہستہ انہیں بھی اندازہ ہو گیا کہ اصل میں کوئی گڑبڑ ہے۔ سب اس کے طویل قیام پر حیران تھے۔ ادھر حاشر بھی کوئی بات نہیں بتا رہا تھا اور نہ ہی وہ پاکستان آ رہا تھا۔

ایمان اب پہلے والی ایمان تو نہیں تھی جو دب کر رہ جاتی۔ اس نے گھر کے کشیدہ ماحول سے بے زار ہو کر ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کرلی۔ اب تو گویا سب کو ہی یقین آ گیا تھا کہ حاشر اور ایمان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے۔

اس کے سامنے نہ سہی پیٹھ پیچھے سب کو ہی باتیں بنانے کا موقع مل جاتا تھا۔ اب بھی آمنہ آپی زور شور سے امی کے کمرے میں بول رہی تھیں۔

"آپ حاشر سے پوچھتی کیوں نہیں آخر کیا وجہ ہے' کیوں ایمان یہاں آ گئی ہے۔"

"اس نے بھی کوئی بات بتائی ہے جو اب بتائے گا۔" امی نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"یقیناً" کوئی بات ضرور ہو گی جو یہ محترمہ یہاں آکر بیٹھ گئی ہیں۔" آمنہ آپی نے آنکھیں مٹکائیں۔

"بھلا اس حالت میں حاشر نے اسے کیوں بھیجا ہے۔"

ایسی بہت سی باتیں ایمان کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ پھر حاشر نے ایک دن تصدیق بھی کر ڈالی۔ گھر والوں کے رویے میں ایک مرتبہ پھر واضح فرق آ گیا۔ آمنہ آپی باتوں ہی باتوں میں اسے بہت کچھ جتا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر ان سب کو ایمان کی ذات میں بہت سے کیڑے نظر آنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ پھر وہ سب کی نگاہوں میں اپنا مقام کھو چکی تھی۔

ایسا بھلا کیوں تھا۔ صرف اور صرف حاشر کی وجہ سے حاشر کے نام نے اسے معتبر کردیا تھا۔ اس کا نام اس کے ساتھ کیا لگا وہ پھر سے معتبر ہو گئی۔ اس کا مقام بحال ہو گیا۔ اور اب ایک مرتبہ پھر اس کا نام سب کی زبان پر تھا۔ اس کی جیٹھانی اور دیورانی کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا تھا۔ اس کی بھابھی کو بھی اب اس میں ایک مرتبہ پھر کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس کے بھتیجے اور بھتیجی نے بھی فون کرنا چھوڑ دیا تھا۔

* * *

وہ اسکول سے گھر آئی تو گرمی اور بھوک سے برا حال تھا۔ اس نے سوچا شربت بنا کر پی لے مگر جب کچن میں آئی تو آمنہ آپی پہلے سے ہی موجود تھیں۔ اسے چینی

نکالتے دیکھ کر بولیں۔

"پچاس روپے کلو چینی ہے۔"

"میں نے آپ سے چینی کا ریٹ تو نہیں پوچھا۔" ایمان نے ناگواری سے کہا تو آمنہ آپی کی تیوریاں چڑھ گئیں جبکہ زونیہ نے اک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ ایمان نے خفت کے مارے جگ وہیں رکھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

پھر اکثر ایسا ہی ہونے لگا تھا۔ جب وہ کھانا کھانے کے لیے آتی سالن ختم ہوتا کبھی روٹی نہ ملتی۔ کپڑے دھونے لگتی تو صابن اور سرف غائب ہوتا۔ فریج کو لاک لگا دیا گیا۔ دودھ کو فریج میں چھپا دیا جاتا تھا جبکہ فروٹ کی ٹوکریاں آپی اور زونیہ کے کمرے میں چلی جاتیں۔

وہ جس کنڈیشن میں تھی اسے اس حالت میں فروٹ اور دودھ کی ضرورت تھی مگر زونیہ اور آپی کا ازلی جلاپا اور حسد عود آیا تھا۔ وہ اسے زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ پھر وہ عمار کے حوالے سے اس پر طنز کے تیر برسانے لگی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر انہوں نے اس پر زندگی کے دروازے بند کرنے چاہے تھے۔

اور اس دفعہ تو اس کے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں بچا تھا۔ بھابھی نے بھی آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

کل جتنی ذلت اس نے محسوس کی تھی۔ جتنی بے عزتی بھابھی نے اس کی کی تھی وہ ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکی تھی۔ اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔

"کیا اب تیسرا شوہر ڈھونڈنا ہے یا پھر یہ کام پہلے سے ہی کر چکی ہو۔"

"بھابھی! اللہ کے لیے خاموش ہو جائیں۔" ایمان نے گویا گڑگڑا کر کہا تھا۔

"میں خاموش ہو جاتی ہوں' لوگوں کی زبانیں بھی روک لو۔" انہوں نے تنفر سے کہا۔

"میں کس کس کو جواب دوں..... آج کل سب کی زبان پر میری نند کے قصے ہیں۔"

"اپنے گھر سے بات نکلتی ہے تبھی دوسروں کی زبانیں زہر اگلتی ہیں۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں سب کو گھر گھر جا کر تمہاری کہانیاں سناتی ہوں۔" بھابھی نے چیخ کر کہا تھا۔

"تمہیں خود ہی گھر بسانا نہیں آتا۔"

"میں آئندہ اس گھر میں نہیں آؤں گی۔" ایمان نے روتے ہوئے کہا۔

"اگر خالہ امی نے بھی تمہیں گھر سے نکال دیا تو پھر کہاں جاؤ گی۔" بھابھی کا لفظ لفظ زہر میں بجھا تھا۔

"کم از کم اس گھر میں کبھی نہیں آؤں گی' آپ بے فکر ہو جائیں۔"

"سڑکوں پر دھکے کھاتی پھرو گی۔" انہوں نے نفرت سے کہا۔

"میاں بیوی میں جھگڑا ہو ہی جاتا ہے گھر اجاڑنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اتنی اکڑ اور غرور کم از کم عورت میں نہیں ہونا چاہیے۔ اگر حاشر کی غلطی ہے پھر بھی تم معافی مانگ لو اس سے..... اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

"مجھے آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"آخر وجہ کیا ہے؟"

"زبردستی کے رشتے ناپائیدار ہوتے ہیں آپا!" زونیہ بھی اس کار خیر میں شرکت کی غرض سے آپہنچی تھی۔

"حاشر کو خالو جان نے مجبور کیا تھا کہ ان کے عمار کی بیوہ سے وہ شادی کر لے۔ ظاہر ہے اس کی پسند تو کوئی اور تھی۔ وہ اپنے دوست کی بہن میو کو شروع سے ہی پسند کرتا تھا۔" زونیہ نے تمسخر اڑایا۔ ایمان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

"حاشر نے اسے خود ہی یہاں بھیج دیا ہو گا۔ بھلا ایمان میں ہے ہی کیا۔"

"مجھے بھی یہی خدشہ ہے۔" حرا بھابھی نے راز داری سے کہا۔

"کیا پتا اس نے وہاں شادی کر رکھی ہو۔"

"ہاں' تمہاری بات میں وزن ہے۔ اسی لیے یہ واپس آگئی مگر ہے کتنی گھنی اور میسنی کچھ بتاتی نہیں۔" حرا بھابھی نے ناک چڑھائی۔

"چاند نکلے گا تو سب کو ہی نظر آئے گا۔ کہاں تک چھپائے گی۔" زونیہ نے تمسخرانہ کہا۔

"شکر ہے ولید ایسا نہیں..... ساڑھے تین چار سال ہونے والے ہیں مگر آج تک اس نے کبھی تمہیں جتایا نہیں۔ تمہارے ساتھ ولید جیسا بندہ ہی گزارہ کر سکتا تھا۔" حرا نے تشکر بھرے انداز میں کہا تو زونیہ نے بھی فوراً ہی تائید کی۔

کبھی کبھی اسے اپنی حماقت پر بہت ہنسی آتی تھی۔ یہ تو ولید جیسا نرم طبیعت اور محبت کرنے والا بندہ تھا جس نے آج تک اسے کبھی بانجھ پن کا طعنہ نہیں دیا تھا۔ وہ اول روز کی طرح ہی اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ حاشر جیسے شخص کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ جو کہ پہلے سے ہی کسی اور کی زلف کا اسیر تھا۔ اسی لیے وہ مطمئن تھی' بے حد خوشی تھی۔ سرشار تھی اور ایمان کی بدنصیبی پر بھرپور انداز میں اظہار افسوس کرتی تھی۔

* * *

"تم ٹکے ٹکے کی نوکری کر کے ہم پر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ دو وقت کی روٹی نہیں دے سکتے ہم تمہیں۔" آمنہ آپی غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھیں۔

"میری جاب سے آپ کو بھلا کیا پرابلم ہے۔" ایمان کہاں تک برداشت کرتی ایک دم پھٹ پڑی۔

"لوگ تھو تھو کر رہے ہیں۔ باتیں بناتے ہیں۔ بے غیرتی کی بھی کوئی حد ہے۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو اپنے بھائی کے گھر دفع ہو جاؤ۔" انہوں نے چلا کر کہا۔

"یہ میرا بھی گھر ہے۔" نہ جانے اس میں اتنی کہاں سے ہمت آگئی تھی کہ وہ انتہائی بے خوفی سے بولی۔

"جس کے حوالے سے ہے اسی نے تمہیں منہ نہیں لگایا۔ چار دن برداشت نہیں کیا..... مجھے تو لگتا ہے عنقریب وہ تمہیں طلاق بھی دے دے گا۔ ایسا کرے تو اسی کے حق میں بہتر ہے۔ اتنی منحوس ہو تم پہلے عمار کو کھا گئی ہو اب حاشر کی زندگی تباہ کرو گی۔"

"میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں۔" ایمان نے مری مری آواز میں کہا۔

"ہونہہ..... اسی نے تم سے جان چھڑوائی ہے۔ بہت اچھا کیا ہے میرے بھائی نے جو تم جیسی بدبخت عورت سے جان چھڑوا لی ہے۔" وہ مسلسل بولے جا رہی تھیں۔ ایمان تھکے تھکے قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کیا کرتی کہاں جاتی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی تھی۔ آمنہ آپی کا رویہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کچھ دن بھیا کی طرف رہ آئے گی مگر وہاں بھی حالات کچھ مختلف نہیں تھے۔

اسے صبح صبح آتے دیکھ بھابھی کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

"لو آگئی مصیبت۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

"پھوپھو! رہنے کے لیے آئی ہیں۔" بسمہ اس کی گود میں چڑھ گئی تھی۔

"ہوں....."

"کتنے دن رہیں گی۔"

"جتنے تم کہو گی۔"

"تو پھر ابھی چلی جائیں۔" بسمہ کی جگہ حمزہ نے کہا تو وہ ششدر رہ گئی۔

"دیکھو ایمان! تم سمجھدار ہو' اتنی عقل تو ہے تم میں کہ اپنا اچھا برا سوچ لو' کچھ عرصے تک تمہاری ڈلیوری ہو گی۔ تمہیں ہمارے حالات کا تو پتا ہے۔ کہاں اتنا خرچہ افورڈ کر سکیں گے۔ تمہیں کم از کم ان دنوں میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" بھابھی نے لگی لپٹی بغیر کہہ دیا تھا۔

"میں شام تک چلی جاؤں گی۔"

"اچھا' پھر یہ برتن وغیرہ سمیٹ دو' لنچ بھی بنا دینا۔ آج میں افشاں کی طرف جاؤں گی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ایمان گہری سانس خارج کر کے کچن میں گھس گئی تھی۔ برتن دھوئے' کچن صاف کیا اور پھر کھانا بنانے لگی۔

رات کو زین کا فون آگیا تھا۔ وہ اسے واپس بلا رہا

تھا۔ ایمان نے فوراً" تیاری کرلی تھی۔ آمنہ آپی جا چکی تھیں۔

"امریکہ سے کسی اینا نامی خاتون کا فون آیا تھا۔" زین نے اسے بتایا تو وہ قدرے حیران ہوئی۔

"کیا کہہ رہی تھی۔"

"آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ شاید دوبارہ کر لیں۔ اگر آپ بیک رنگ کرنا چاہتی ہیں تو کرلیں۔"

"نہیں۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔" ایمان نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کی فرینڈ ہیں؟"

"ہوں' یہی سمجھ لو۔"

"بھابھی! ایک بات پوچھوں؟"

"کیوں نہیں۔" ایمان نے مسکرا کر کہا۔

"کیا حاشر کے ساتھ آپ کا جھگڑا چل رہا ہے۔"

"نہیں تو۔۔۔" اس نے نگاہ چرالی تھی۔

"پھر آپ یہاں۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"میں عنقریب چلی جاؤں گی۔" اس نے اک پل میں ہی فیصلہ کرلیا تھا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"جہاں قسمت لے گئی۔"

"بھابھی! میری بات کا برا مت مانیے گا۔ گھر اپنا ہی اچھا ہوتا ہے۔" زین نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ ایمان کچھ نہیں بولی تھی بس خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اس نے خود کو آزمانے کا سوچ لیا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا واپس جانے کا۔ وہ اس ذلت سے تنگ آگئی تھی۔ وہ مزید خود کو گرانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ عورت بغیر مرد کے سہارے کے اس معاشرے میں نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر رشتے کو آزما چکی تھی۔

اس نے عمار کی سچی اور خالص محبت بھی دیکھی تھی اس نے حاشر کی منافقانہ محبت بھی دیکھی تھی۔ عمار چلا گیا تھا' حاشر موجود تھا۔ جس کے نام کے بغیر ساتھ کے بغیر وہ ادھوری تھی اپاہج تھی' نامکمل تھی۔

وہ جیسا بھی تھا اس نے حاشر کو قبول کرنے کا سوچ لیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ وہ اللہ سے شکوہ نہیں کرسکتی تھی۔ اللہ نے حاشر حسین کو ہی اس کا مقدر کا ستارہ بنایا تھا اور جو شخص اللہ نے اس کے لیے پسند کیا تھا وہ کیسے اسے ناپسند کرتی۔ وہ شرابی اور بدکردار شخص ہی اس کے نصیب میں لکھا تھا۔ اس کی ہاتھ کی لکیروں میں حاشر کا نام تھا۔ پھر کیسے عمار زندہ رہتا۔

وہ ان سب کی نفرتیں سہہ سہہ کر تنگ آچکی تھی۔ وہ جھک گئی تھی' ٹوٹ گئی تھی آمنہ آپی نے رات کو فون کرکے پھر اسے بے عزت کیا تھا۔ ایمان خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اس نے فون رکھ دیا تھا۔

صرف بیس دن بعد کی بات ہے جب اچانک اینا چلی آئی۔ وہ اکیلی آئی تھی اور صرف دو دن کے لیے آئی تھی۔ اینا کا استقبال ان سب نے بہت پرتپاک کیا تھا۔

وہ صرف ایمان سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا جبکہ شکوے شکایات بے حساب۔

وہ اس سے ناراض تھی۔ اور ایمان اسے بھلا بتاتی بھی کیا۔

"امی مان! میں تو تمہیں بہت عقلمند سمجھتی تھی مگر تم تو۔۔۔" اینا نے ناراضی سے کہا۔

"تم نہیں جانتیں اینا! میرے ساتھ کیا کچھ بیت چکا ہے۔" ایمان نے تھکی تھکی آواز میں کہا تو اینا رنجیدگی سے بولی۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ تم نے حاشر سمیت ہمارا بھی اعتبار نہیں کیا۔ اگر تم میرے ساتھ شیئر کرتیں تو میں تمہاری تمام غلط فہمی دور کر دیتی۔" اینا نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تھا۔

"اگر تم حاشر کی وکالت کے لیے آئی ہو تو پلیز کچھ مت کہو۔"

"میں حاشر کو بغیر بتائے آئی ہوں' مجھے عامر نے بھیجا ہے۔ اگر تم میری بات آرام سے سن لو تو مجھے یقین ہے کہ تمہاری تمام غلط فہمی دور ہوجائے گی۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" ایمان نے آہستگی سے کہا تھا اور اینا تمام رام کہانی سنانے لگی تھی۔ اس نے ایک ایک بات واضح کردی تھی۔ اس نے ہر سچائی پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ ایمان حیران پریشان' ششدر سی سن رہی تھی۔

اینا مزید ایک دن رہی تھی اور پھر ایمان کے بے حد اصرار کے باوجود واپس چلی گئی۔ اسے عامر کی بہت فکر تھی۔ وہ بہت پریشان تھی کہ عامر کو کھانے پینے میں پرابلم ہوگی۔

اینا کے جانے کے ٹھیک تین دن بعد اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ انابیہ بھابھی بمعہ بچوں کے میکے گئی ہوئی تھیں۔ ولید کراچی جبکہ علی اور زیب ٹرپ کے ساتھ جرمنی گئے تھے۔ صرف زونیہ اور امی گھر میں موجود تھیں۔

امی دوا کھا کر سو چکی تھیں۔ تقریباً" ایک بجے کے قریب اس کی طبیعت بگڑ گئی۔ پہلے تو وہ درد برداشت کرتی رہی پھر جب تکلیف مزید بڑھ گئی تو وہ اٹھ کر زونیہ کے بیڈ روم کی طرف آگئی۔

دروازہ پیٹ پیٹ کر اور آوازیں دے دے کر وہ تھک چکی تھی مگر زونیہ نے دروازہ نہیں کھولا۔ درد کی شدت سے اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ چلا رہی تھی مگر اس بے حس عورت پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹہ وہ زونیہ کے دروازے کے پاس بیٹھی کراہتی رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیسے ہمتیں جمع کرکے اٹھی۔ مگر کمر کے شدید درد نے اسے اٹھنے نہیں دیا تھا۔ وہ دیوار سے سر ٹکراتے مسلسل رو رہی تھی۔ چلا رہی تھی' کراہ رہی تھی۔ اس کے آنسو گالوں پر پھسل رہے تھے۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔

"حاشر! آجاؤ' اللہ کے واسطے آجاؤ۔ میں بہت اکیلی ہوں' میں بہت تنہا ہوں۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ میری خاطر نہ سہی اپنے بچے کی خاطر آجاؤ۔ دیکھو میں تمہیں بلا رہی ہوں' ایمان تمہیں بلا رہی ہے۔ میرا دل تمہیں آواز دے رہا ہے' پکار رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔ دیکھو' حاشر میں تڑپ رہی ہوں۔ مجھے بہت تکلیف ہے' میری سانسیں رک رہی ہیں۔ پلیز آجاؤ۔ حاشر آجاؤ نا۔۔۔ میرا کوئی نہیں' میرا تمہارے سوا کوئی بھی نہیں۔" وہ روتے روتے نڈھال ہوچکی تھی۔ اس کی رنگت سفید لٹھے کی مانند ہوگئی تھی۔ اس کا حلق خشک تھا گویا اس میں کانٹے اگ آئے ہیں۔

اسی پل فون کی بیل گونج اٹھی تھی۔۔۔ ایمان نے بے بسی کے عالم میں فون اسٹینڈ کی طرف دیکھا۔ بیل مسلسل بج رہی تھی' ایمان زمین پر گھسٹتے ہوئے بمشکل دیوار کے سہارے کھڑی ہوئی تھی۔ فون تک پہنچتے پہنچتے اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔

اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف حاشر کی آواز سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ حاشر نے اسے تسلی دی اور پھر عمیر بھیا کو فون کیا۔ جب تک عمیر بھیا آئے امی بھی اٹھ گئی تھیں اور زونیہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ امی اسے غصہ ہو رہی تھیں کہ اس نے انہیں بتایا کیوں نہیں۔ کچھ ہی دیر بعد اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ فجر کی اذان کے ساتھ اس نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا تھا۔

حاشر بھی بیٹے کی خبر سن کر تمام غصہ اور ناراضی بھلائے تیسرے دن ہی آگیا تھا۔ سارا دن اپنے چھوٹے سے بیٹے کو گود میں اٹھائے رکھتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی ایمان سے بات نہیں کی تھی۔ ایمان اس کے کٹھور رویے پر دل ہی دل میں افسردہ تھی۔

رات کو جب حاشر ننھے عمان کو اٹھا کر اندر آیا تو ایمان بے ساختہ بولی۔

"اب بھی نہ آتے' تم کسی کے ہاتھ بھیج دیتے عمان کو۔"

"یہ میرا گھر ہے اور یہ کمرہ بھی میرا ہے' میں جب چاہے آسکتا ہوں۔" حاشر نے سنجیدگی کے ساتھ کہا تھا۔

"آپ خفا ہیں حاشر!" وہ جو بیڈ پر عمان کو لٹا کر اس سے کھیل رہا تھا۔ ایمان کی بات سن کر چونک اٹھا۔

"تمہیں میری ناراضی کی پروا ہے؟"

"آپ کو ہمیشہ مجھ سے شکایتیں ہی رہی ہیں۔"

اس نے آزردگی سے کہا۔

"تم نے میری شکایتیں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اب کر لیتی ہوں۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"پلیز حاشر! مجھے معاف کر دیں۔" ایمان نے التجائیہ کہا اور پھر اس کے قدموں کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے اور غلط فہمی پر شرمندگی بھی۔ میں نے ان جانے میں آپ کو جو کچھ بھی کہا تھا۔ میں اس پر پشیمان ہوں اور آپ سے معافی بھی مانگ رہی ہوں۔ میں نے آپ کو بہت برا بھلا کہا تھا ___ مجھے بغیر تصدیق کیے کچھ بھی کہنے کا حق نہیں تھا مگر میں میبو کو دیکھ کر اور اپنے کچن کے فریج میں ام الخبائث کی بوتلیں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکی تھی اور پھر جو اس نے مجھے جعلی نکاح نامہ دکھایا تھا ___ اور وہ گندی، فحش تصویریں ___ آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کس ذہنی کرب سے گزری ہوں۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں خود کو ختم کر لوں۔"

"تم نے اس بے غیرت اور جھوٹی عورت کی باتوں پر یقین کیوں کیا اور پھر میری کوئی بات بھی تم سننا نہیں گوارا کر رہی تھیں۔ مگر اچھا ہی ہوا اگر میں اس وقت تمہیں اپنی صفائیاں دیتا تو تم ہرگز یقین نہ کرتیں۔" حاشر نے غصے سے کہا تو ایمان نے اس کے پیروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

"مجھے یقین آگیا ہے کہ میبو جھوٹی تھی اور وہ سارا سامان ان دونوں بہن بھائی کا تھا جو کہ امانتاً" آپ نے رکھا ہوا تھا۔ پلیز اب آپ مجھے معاف کر دیں۔"

"تم میرا اعتبار بے شک نہ کرو مگر میں تمہاری غلط فہمی ضرور ختم کرنا چاہوں گا۔ ناصر اور میبو انڈین مسلم تھے۔ نیویارک میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ ان دنوں وہ دونوں ہی نیویارک کی سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے تھے۔ میں نے ترس کھا کر انہیں اپنے فلیٹ میں رہنے کی جگہ دی۔ کچھ عرصہ تک ان دونوں نے قدم جما لیے۔ ایک دوست کے توسط سے میں اٹلی گیا تو وہاں کاروبار کے لیے حالات قدرے بہتر لگے۔ یوں میں نے ناصر، میبو اور عامر سے مشورہ کرنے کے بعد کاروبار شروع کر لیا۔ مگر کچھ ہی عرصے بعد میرا اور عامر کا جھگڑا ہو گیا۔ ان دونوں نے موقع پا کر ہمارا بہت سا نقصان کر دیا تھا۔ پہلے پہل میبو مجھے اچھی لگی تھی مگر یورپ میں رہ کر اس نے بھی پر پرزے نکال لیے تھے میں نے اس کی حرکتیں دیکھ کر اس پر لعنت بھیجی مگر وہ لومڑی کہاں جان چھوڑنے والی تھی موقع پا کر پھر سے اوقات دکھا گئی۔ اور تم بدھو اس کی باتوں میں آکر اسے خوش کرنے کے مواقع فراہم کرتی رہی ہو۔"

"میں بہت بے عقل اور احمق ہوں۔"

"ہاں، وہ تو تم ہو ہی۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے؟" اس کا موڈ قدرے بہتر دیکھ کر ایمان مسرور سی بولی۔

"نہیں۔"

"اچھا ___" اس کا منہ ایک دفعہ پھر اتر گیا تھا۔

"تمہیں تو شوہر کو ڈھنگ سے منانا بھی نہیں آتا۔" حاشر نے تاسف سے کہا۔ وہ ہونق سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"بھئی کوئی منتیں کر لیا کرو اور کچھ نہیں تو کوئی گانا وانا ہی سنا دو ___ کوئی پیار محبت کے ڈائیلاگ ہی بول دو۔ تم پاکستانی فلمیں تو دیکھتی ہوگی۔"

"جی نہیں، مجھے فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"او کے تم میرے کمرے سے جا سکتی ہو۔"

"ک ___ کیوں۔" ایمان نے فکرمندی سے پوچھا۔

"میری مرضی۔" حاشر نے کٹھور پن کی انتہا کر دی تھی۔

"نن ___ نہیں، حاشر! میں باہر نہیں جاؤں گی۔"

اسے تو آمنہ آپی اور بھابھی کی طنزیہ، معنی خیز نگاہوں کا سوچ کر ہی وحشت ہونے لگی تھی۔ انہیں تو ایک اور چٹ پٹا موضوع مل جاتا تھا کہ حاشر نے ایمان کو کمرے سے نکال دیا ہے۔

"کیوں ___" حاشر نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"وہ ___ میں آمنہ آپی کی باتیں نہیں سن سکتی ___ وہ تو خوش ہوں گی کہ آپ نے مجھے بیڈروم سے نکال دیا ہے۔" ایمان نے پریشانی کی اصل وجہ بتائی تو حاشر نے بھی مزید اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ ایمان کی اب بھاں بھاں کر کے رونے کی کسر باقی رہ گئی تھی اور ایمان کے آنسو وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اسے اٹھتا دیکھ کر حاشر نے دوہائی دی۔ ایمان نے قدرے پلٹ کر جواب دیا۔

"آپ کے لیے دودھ لینے جا رہی ہوں۔"

"اتنی خدمت گزار بیوی نہ بنو کہ مجھے خوامخواہ خوش فہمی لاحق ہو جائے۔" حاشر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی خوش فہمیاں بھی پال لینی چاہئیں، وقت اچھا گزر جاتا ہے۔" ایمان بھی مطلع صاف دیکھ کر مطمئن اور سرشار ہو گئی تھی اور اسے خوش دیکھ کر حاشر بھی اندر تک مسرور ہو گیا تھا۔ ایمان کا رویہ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ وہ بھی زندگی سے قدم ملا کر چلنا سیکھ گئی ہے۔ بہت دیر بعد سہی اس نے زندگی میں موجود تبدیلیوں کو سمجھ لیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ زندگی خوشی، غم، دکھ اور مسکراہٹوں کا حسین سنگم ہے۔

ایمان شاید کچن میں گئی تھی۔ حاشر بیڈ سے اٹھ کر سامنے ٹیبل پر سجی عمار کی تصویر تک آیا۔ اسے یوں لگا کہ عمار بہت خوش ہے۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔ حاشر نے عمار کی تصویر اٹھائی۔ اس کے کانوں میں آج سے پانچ سال پہلے گونجنے والی آوازوں نے وہ گھڑی، وہ پل، وہ لمحہ یاد کروا دیا تھا جب حاشر حسین پہلی مرتبہ ایمان کا اسیر ہو گیا تھا اس نے ایمان سے محبت نہیں عشق کیا تھا۔

کیا کوئی شخص کسی عورت کی تصویر دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہو سکتا ہے جبکہ وہ عورت اس قدر حسین بھی نہ ہو مگر حاشر حسین، ایمان علی کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا محض اس کی تصویر دیکھ کر۔

اسے وہ وقت کیسے بھول سکتا تھا جب پہلی مرتبہ اس نے ایمان کی تصویر دیکھی اور پھر دیکھتا رہ گیا۔ اسے اس تصویر نے گویا جکڑ لیا تھا۔ وہ گویا کسی طلسم کے زیر اثر پاگلوں کی طرح اس تصویر کو دیکھتا رہا تھا۔ اس پل حاشر بھول گیا تھا کہ ایمان اس کے عزیز از جان بھائی کی منگیتر ہے۔ اس کا بھائی ایمان نامی اس لڑکی سے بہت محبت کرتا ہے۔

آج بھی عمار کی کھنکھناتی آواز اس روز کی طرح اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"او ہو گھامڑ، اڑیل ضدی گھوڑے، میں نے یہ تصویر تجھے اس لیے بھیجی ہے تاکہ تو بھی صنف نازک کے بارے میں کچھ سوچنے کے قابل ہو سکے۔ تیرے دل کے تار بھی گنگنا اٹھیں۔ تمہاری غیرت بھی جاگے کہ تم سے چھوٹا ہو کر میں منگنی شدہ ہو گیا ہوں۔ ولید کو تو میں نے نمٹا دیا ہے مگر تو میرے ہتھے نہیں چڑھ رہا۔ ابی کی شرط بھی کتنی خطرناک ہے کہ میں یعنی عمار حسین اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا جب تک مجھ سے بڑے یہ دو کٹھور بھائی نہ بیاہے جائیں۔ بھلا اس منحوس شرط کی ضرورت ہی کیا تھی مگر اب ابی کی بات ماننا پڑے گی۔ اللہ کے لیے میرے شریف اور

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
بن روئے آنسو
فرحت اشتیاق
قیمت ___ -/200 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

معصوم بھالی سی میم کو ہی اپنے چنگل میں پھنسالے کہ وہ بھی تجھے دیکھ کر بدکتی ہیں۔ اف میں کیا کروں میرے کتنے مسائل ہیں۔ کتنی ذمہ داریاں ہیں میری‘ بس تو جلدی سے جھوٹی بچی لڑکی ڈھونڈ کر غائبانہ منگنی کی خبر امی کو سنادے تاکہ میرا معاملہ بھی قدرے بہتر ہو۔ میرے سر پر بھی سرا سجے اور تیرا بھائی بھی شادی شدہ کی فہرست میں شامل ہو جائے۔ امی سے کہہ دے کہ تو ناصر کی بہن میمو کو پسند کرتا ہے۔"

اور پھر حاشر نے امی کو قائل کرنے کے لیے عمار کی بات مان لی۔ اس نے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپالیا۔ وہ تو خود پر بھی یہ راز ظاہر نہیں کرتا تھا۔

اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا کہ عمار اپنی محبت کو پانہ سکے۔ وہ تو ہمیشہ اپنے بھائی کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کرتا تھا مگر نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔

وہ عمار کی شادی پر نہیں پہنچ سکا تھا اور نہ ہی اس کے جنازے پر پہنچ سکا تھا۔ مگر اس کا دل اس صدمے سے لہولہو ہو گیا تھا۔ وہ کتنا ہی عرصہ دنیا سے کٹ کر اپنے فلیٹ میں پڑا رہتا۔ باہر ناصر اور میمو اور ان کے فرینڈز نے اودھم مچایا ہوتا تھا مگر اس نے کبھی ان دونوں کو نہیں روکا تھا۔ وقت بیتتا رہا موسم گزرتے رہے۔

پھر ایک دن بابا نے اسے پاکستان بلوایا۔ وہ چاہتے تھے کہ حاشر‘ عمار کی بیوی ایمان سے شادی کر لے۔ حاشر نے بابا کی بات کا مان رکھ لیا مگر دل میں چھپی وہ خواہش‘ ایمان کی چاہ انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھی تھی۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایمان اس کی ہو چکی ہے۔ اس نے ایسا کبھی چاہا بھی نہیں تھا نہ ایمان کی اس نے طلب کی تھی مگر اللہ نے ایمان کو اس کے نصیب کا ستارہ بنادیا تھا۔ اس نے ایمان کو خوش رکھنے کا خود سے عہد کیا تھا۔ عمار سے عہد کیا تھا اور وہ اس عہد کو تا حیات نبھانا چاہتا تھا۔

نہ جانے کب تک وہ یوں ہی سوچوں میں گم رہتا۔ باہر کھٹکے کی آواز سن کر اس نے عمار کی تصویر واپس رکھ لی اور پھر دھیرے سے بڑبڑایا۔

"یہ حقیقت میں کبھی بھی ایمان کو نہیں بتاؤں گا۔"

ایک ہفتے بعد انہوں نے واپس چلے جانا تھا اور حاشر کی خواہش تھی کہ نیویارک جانے سے پہلے وہ لوگ عمرہ ادا کریں گے۔ ایمان نے تو جب سے سنا تھا خوشی کے مارے زمین پر پاؤں نہیں ٹک رہے تھے اس کے۔

اس کی بہت دیرینہ خواہش پوری ہونے والی تھی۔ وہ اللہ کا گھر دیکھے گی۔ خانہ کعبہ کی چھاؤں میں بیٹھے گی‘ بہت سے نوافل ادا کرے گی۔ عمار کے لیے دعائے مغفرت کرے گی مگر اللہ سے شکوہ ہرگز نہیں کرے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں صرف وہ ہی جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس پروردگار عالم نے اسے اتنا نوازا تھا کہ وہ جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔

ایک بہترین ہم سفر‘ پیارا سا بیٹا اور پر سکون زندگی۔

اس کے پاس سب کچھ تھا۔ بہت سی خوشیاں اس کی منتظر تھیں مگر کبھی کبھی دل میں ایک میٹھا سا درد عمار کی یاد بن کر ابھرتا تھا اور ایمان زندگی کی بہت سی رنگینیوں میں خود کو مصروف کر لیتی۔

وہ بہت خوش تھی اور اس نے صرف اللہ کی رضا کی خاطر کسی اور کے دل کو بھی مطمئن اور سرشار کر دیا تھا۔ اس نے اپنے جگر کا ٹکڑا‘ اپنا پیارا تین ماہ کا بیٹا زونیہ کی گود میں ہمیشہ کے لیے ڈال دیا تھا۔ تمام نفرتیں‘ اذیتیں‘ تکلیفیں بھلا کے اس نے محبت اور وسیع القلبی کی اک عظیم مثال قائم کر دی تھی۔ کبھی کبھی حاشر بڑے موڈ میں اسے چھیڑتا تھا۔

"کم از کم دوسرا بے بی آنے تک تو عمان کو میرے پاس رہنے دیتیں۔" اور ایمان کھلکھلا کر ہنس دیتی تھی۔ ایمان کی مسکان حاشر کے ارد گرد پھول ہی پھول کھلا دیتی۔ یوں محسوس ہوتا گویا صحرا میں ابر رحمت برسنے لگا ہے۔

* *

رخسانہ نگار عدنان